ماہنامہ

حکمت قرآن

لاہور

مئی ۱۹۹۱ء

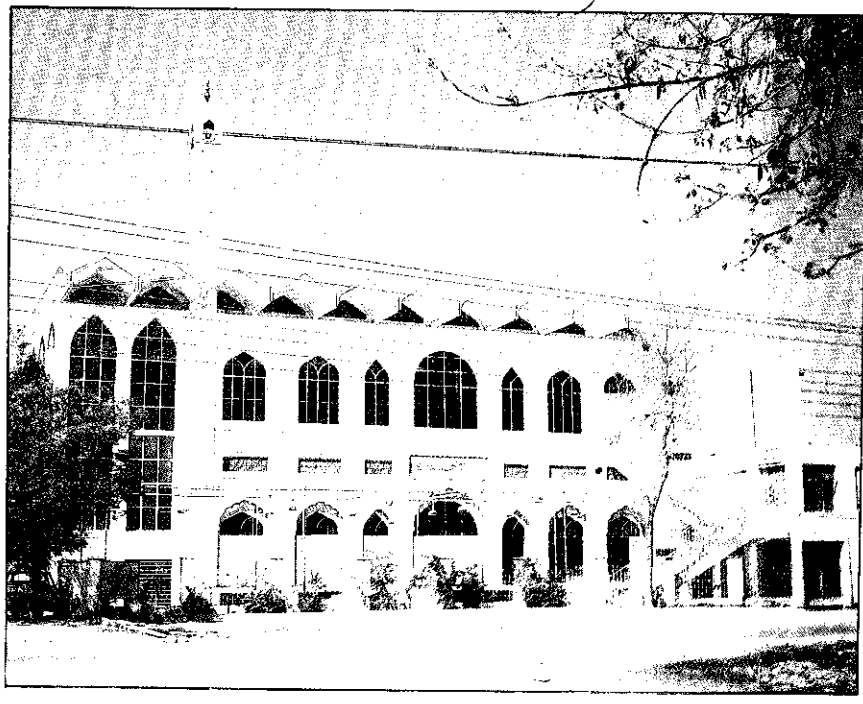

مدیر مسئول : ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

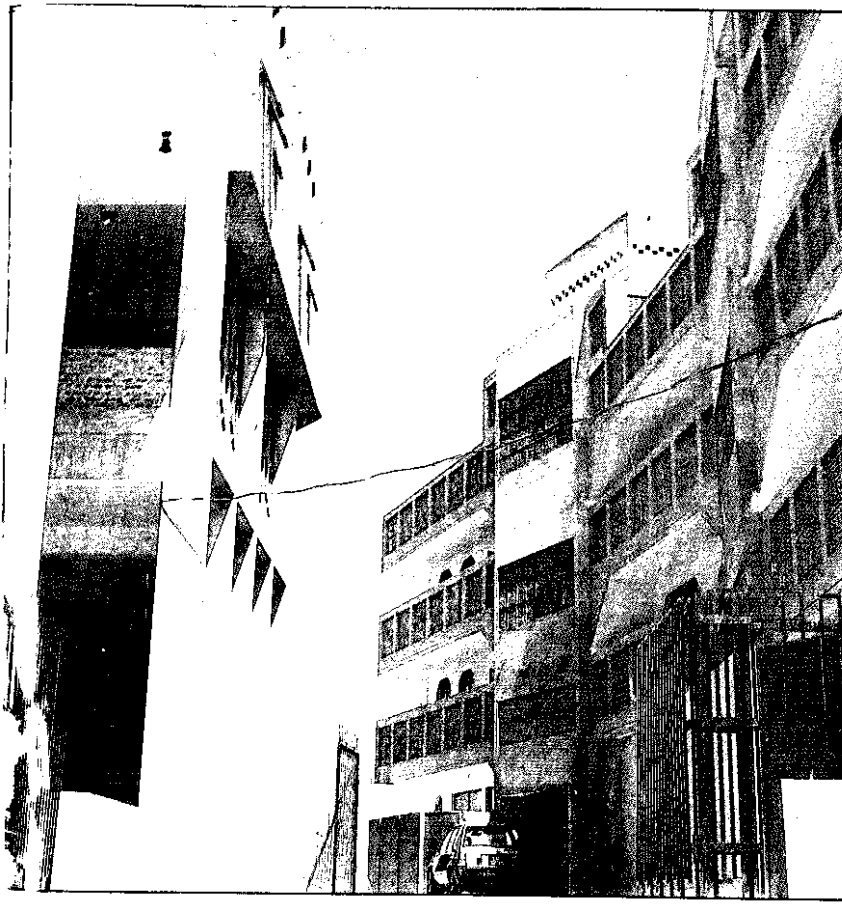

قرآن کالج اور ہاسٹل۔ آمنے سامنے

ماھنامہ حکمتِ قرآن لاھور

جلد ۱۰ | اپریل مئی ۱۹۹۱ء، رمضان شوال ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۴/۵

حرفِ اوّل	عاکف سعید	۲
الحمد للہ رب العالمین (نشری تقریر)	ڈاکٹر اسرار احمد	۵
ہدایتُ القرآن (۴۹)	مولانا محمد تقی امینی	۹
امام عبد العظیم منذریؒ (کاروانِ حدیث : ۱۵)	عبد الرشید عراقی	۱۳
"مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام" ایک وقیع اور عالمانہ کاوش	مولانا سعید الرحمٰن علوی	۱۸
اسلامی معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کی اہمیت (۲)	ڈاکٹر امین اللہ وثیر	۴۳
مولانا محمد تقی امینیؒ (یادِ رفتگاں)	مولانا مسعود عالم قاسمی	۵۰
لغات و اعرابِ قرآن (۲۳)	پروفیسر حافظ احمد یار	۶۱
مرکزی انجمن کا انیسواں سالانہ اجلاس	ادارہ	۹۱
سالانہ رپورٹ برائے سال ۱۹۹۰ء	مرتّب: سراج الحق سید	۹۵

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاھور رجسٹرڈ
۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاھور ۵۴۷۰۰ - فون : ۸۵۶۰۰۳

سالانہ زرِ تعاون -/۴۰ روپے اس شمارے کی قیمت -/۷ روپے

مطبع : آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

حرفِ اوّل

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن کا انیسواں سالانہ اجتماع بحمداللہ حسب پروگرام ۲۶ر اپریل کو قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا۔ انجمن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اس موقع پر جناب صدر مؤسس نے اپنے خطاب میں سورۃ السجدہ کی پانچ آیات (آیت نمبر ۲۱ تا ۲۵) کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ ان آیات میں اِنذار و تنبیہہ کا رنگ بھی موجود ہے اور تذکیر و مَوعظت کا انداز بھی۔ موقع کی مناسبت سے ان آیات کا انتخاب بہت برمحل محسوس ہوا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ حکمتِ قرآن کے آئندہ شمارے میں محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب ہدیۂ قارئین کر دیا جائے۔ قارئین کی دلچسپی کے پیشِ نظر مرکزی انجمن کے مذکورہ بالا اجتماع کی رُوداد اسی شمارے میں شامل کر دی گئی ہے۔ مزید برآں اس سالانہ اجتماع کے موقع پر مرکزی انجمن کے ناظمِ اعلیٰ کی جانب سے پیش کردہ سالانہ رپورٹ بابت سال ۱۹۹۰ء بھی شاملِ اشاعت کی گئی ہے جس کے ذریعے انجمن کی سالِ گزشتہ کی کارگزاری کا ایک جامع اور مبسوط خاکہ قاری کے سامنے آتا ہے۔

قارئین کرام نوٹ فرمالیں کہ آئندہ سے ان شاء اللہ العزیز گاہے بگاہے "رُجوع الی القرآن" کے میدان میں مرکزی انجمن خدامُ القرآن لاہور کی دعوتی سرگرمیوں کی رپورٹ "حکمتِ قرآن" میں شائع کی جاتی رہے گی۔ سردست ہر تیسرے مہینے ایک سہ ماہی رپورٹ ہدیۂ قارئین کی جایا کرے گی۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ قارئین "حکمتِ قرآن" کو بھی مرکزی انجمن کی دعوتی سرگرمیوں سے آگاہی حاصل ہوتی رہے تاکہ وہ بھی رجوع الی القرآن کے اس کام میں اپنی اپنی ہمت و وسعت کے مطابق عملی حصّہ ادا کر سکیں۔

☆ ☆ ☆

قرآن کالج میں ایف اے کلاس کے نئے داخلوں کے بارے میں کالج انتظامیہ کی جانب سے تاریخوں کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ٹائٹل کے آخری اندرونی صفحے پر اس ضمن میں ایک تفصیلی اعلان ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ قارئین کے لئے یہ اطّلاع باعثِ مسرّت ہوگی کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس کی

جانب رفقاء و احباب کے رجوع میں بحمداللہ مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بنیادی عربی قواعد' تجوید' قرآن حکیم کے منتخب اسباق اور کم و بیش دو پاروں کے ترجمے پر مشتمل یہ دینی نصاب عربی گرامر سیکھنے اور قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی کے حصول میں اللہ کے فضل و کرم سے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ آئندہ سے ارادہ یہ ہے کہ ایک سال کے دورانئے پر مشتمل اس کورس کو دو سمسٹرز میں تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ ہر چھ ماہ بعد نئے داخلے دیئے جا سکیں اور اس طرح ایک سال کے دوران بیک وقت دو کلاسوں کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چلایا جا سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین حکمتِ قرآن' قرآن کالج اور اس کی تعلیمی اسکیموں سے استفادے کے کسی موقع کو ضائع نہیں کریں گے اور رجوع الی القرآن کی اس تحریک میں بقدرِ استطاعت اپنا حصہ ضرور ادا کریں گے جو تنظیمِ اسلامی کے لئے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ ☆ ☆

زیر نظر شمارہ ماہ اپریل اور مئی کا مشترکہ شمارہ ہے' اسی نسبت سے اس کی ضخامت بھی معمول سے زائد رکھی گئی ہے۔ مرکزی انجمن کے سالانہ اجلاس کی مناسبت سے اس شمارے کے سرورق پر جامعُ القرآن' قرآن اکیڈمی کی اور پشت پر قرآن آڈیٹوریم کی رنگین تصاویر شائع کی گئی ہیں۔ یوں یہ شمارہ "حکمتِ قرآن" کے عام شماروں سے مختلف اور ممتاز ہے ------ مولانا محمد تقی امینیؒ کے سوانحی خاکے پر مشتمل ماہنامہ "تہذیبُ الاخلاق" علی گڑھ کا شائع کردہ ایک مضمون زیر نظر شمارے میں شامل کیا گیا ہے۔ تاہم مولانا امینیؒ کے بارے میں علی گڑھ کے محترم اقبال انصاری صاحب کی جانب سے ایک مبسوط مضمون کا انتظار ہے۔ ابھی چند روز پیشتر مُراد آباد بھارت سے مولانا افتخار فریدی صاحب کے ایک مکتوب کے ذریعے مدینہ منوّرہ میں مقیم ایک درویش عالم دین مولانا محمد عبدالملک جامعی کے انتقال کی اطلاع بھی موصول ہوئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون --- مولانا جامعی کے پرمغز اور پراز موعظت مراسلات وقتاً فوقتاً "حکمتِ قرآن" کے صفحات کی زینت بنتے رہے ہیں۔ محترم فریدی صاحب کا خط درج ذیل ہے۔ یہ خط مولانا جامعی مرحوم کے اجمالی تعارف کے حصول کے لئے ایک کلید کا درجہ رکھتا ہے۔

"یہ خبر انتہائی رنج اور صدمہ کے ساتھ سنی گئی کہ مہاجرِ مدینہ مولانا عبدالملک' مدینہ منوّرہ میں انتقال فرما گئے۔ مولانا مرحوم کی ذاتِ گرامی گوناگوں خصوصیات کی

حامل تھی۔ مولانا جامعہ ملّیہ اسلامیہ کے سابقین اوّلین میں تھے اور جامعہ کے کئی شعبے اُن کی صلاحیتوں سے پروان چڑھے ------ مولانا عبدالملک' مولانا محمد علی جوہرؒ کے فدائی اور خادم تھے اور سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کے محبوب شاگردوں میں سے تھے۔ حق بات کہنے میں اللہ تعالے نے انہیں بڑی جرأت اور ہمّت عطا کی تھی۔

مولانا عبدالملک کا بچپن اپنے والد' مشہور خطّاط' منشی عبدالقیوم صاحب کے ساتھ بجنور کے مشہورِ زمانہ اخبار "مدینہ" میں گزرا جہاں انہیں کئی عبقری صحافیوں اور ہمدردانِ ملّت کی خاص شفقت حاصل رہی۔ وہیں سے مولانا نے تحریکِ خلافت میں بھی حصہ لیا۔ مولانا کے والد محترم نے مولانا آزادؒ کے ساتھ کلکتہ میں رہ کر "ترجمانُ القرآن" کی کتابت بہت ہی بے کسی کے عالم میں کی اور اسے مدینہ پریس بجنور میں طبع کرایا۔ دوسرا ایڈیشن لاہور میں طبع کرایا اور دونوں کا منافع مولانا آزادؒ کو پہنچایا۔

مولانا عبدالملک صاحب' مولانا محمد علی جوہر رحمتہ اللہ علیہ کے فدائی اور عاشق تھے اور ساری ایمان افروز تربیت انہی سے حاصل کی تھی۔ فرمایا کرتے تھے مولانا محمد علی بیسویں صدی کے مردِ مؤمن ہیں۔ ان کا تعلّق مولانا کے خاندان کے ہر ہر فرد سے تھا۔ کراچی میں بھی ان کے نواسوں سے بڑی محبت کیا کرتے تھے ------

مولانا مرحوم نے تقریباً ۵۰ سال مدینہ منوّرہ میں قیام فرمایا اور حفظِ قرآن کا نظام چلاتے رہے۔ مولانا کی زندگی بہت ہی بے کسی اور غربت میں گزری اور کبھی کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہیں کی حتیٰ کہ مدینہ کے پچاس سالہ قیام کے دوران وہاں کی شہریت حاصل کرنے کے لئے کبھی کسی سے سفارش نہیں کی جبکہ وہ چاہتے تو یہ کام انتہائی آسان تھا۔ دعوت و تبلیغ کے اہم ترین کام کا درد ہمیشہ ان پر غالب رہا اور سخت سے سخت حالات اور عدم صحت یابی کے باوجود اس کی فکر فرماتے رہے۔ وفات سے چند ہفتہ قبل مرحوم نے خادم کو جو خط تحریر فرمایا تھا' اس میں اس کی بشارت دی ہے کہ روس' چین اور ہندوستان کے ایک علاقے کو ہدایت ملے گی۔ مولانا مرحوم نے مدینہ اور اس کے اطراف میں حفظِ قرآن کو فروغ دیا اور تحفیظُ القرآن کے نام سے ایک ادارہ سعودی حکومت سے ایک ایسے وقت میں منظور کرایا جبکہ حفظِ قرآن کا نظام وہاں بے حد کمزور ہوگیا تھا۔ اب الحمدللہ اس ادارہ کی برکت

(باقی صفحہ ۸ پر)

نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ○

قرآن حکیم کی پہلی سورت سورۃ الفاتحہ ہے اور اُس کی پہلی آیت وہ ہے جو ابھی تلاوت کی گئی اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ پورے قرآن کے فلسفہ وحکمت کا خلاصہ ولُبِّ لُباب سورۃ الفاتحہ میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے 'اُمّ القرآن' بھی کہا گیا اور 'اساس القرآن' بھی اور 'الکافیہ' سے بھی موسوم کیا گیا اور 'الشافیہ' سے بھی۔ ویسے اس میں بھی ہرگز کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ سورۃ الفاتحہ کے مضامین کی جڑ اور بنیاد ——— گویا قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کی اصل اساس ——— اُس کی پہلی آیت ہے۔

اس آیۂ مبارکہ کی عظمت اور قرآن کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے اس کے مقام ومرتبہ کو پہچاننے کی کوشش کرنے سے پہلے اُس کے الفاظ کے معانی پر غور کر لینا چاہیے۔ 'الحمد' کے آغاز میں الف لام 'لامِ استغراق یا لامِ جنس ہے۔ گویا 'الحمد' کے معنی ہوئے کُل کی کُل حمد یا حمد کی جملہ انواع واقسام!

حمد کا ترجمہ عام طور پر 'تعریف' کر دیا جاتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے اُس کا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اصل میں 'حمد' مجموعہ ہے 'شکر' اور 'تعریف' دونوں کا۔ بلکہ اس کا اصل بنیادی مفہوم 'شکر' ہے 'تعریف' کا مفہوم اس میں اضافی طور پر شامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ نبویؐ میں جو دعائیں شکر کے مواقع پر آئی ہیں اُن سب کا آغاز لفظِ 'حمد' سے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام ایسی اولاد عطا فرمائی

تو اُن کے قلب سے شکرِ خداوندی کا جو چشمہ پھوٹا، وہ اُن کی زبان پر اس ترانۂ حمد کی شکل میں جاری ہوا کہ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ" (یعنی کل شکر و سپاس اور تمام تعریف و ثناء کا مستحق ہے وہ اللہ جس نے مجھے بڑھاپے اور ضعیفی کے باوجود اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے یقیناً میرا ربّ دُعا کا سُننے والا ہے!)

اسی طرح ادعیۂ ماثورہ میں سے مثلاً وہ دُعا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فراغت کے بعد مانگا کرتے تھے، اُس کے الفاظ یہ ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقٰنَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا!) البتہ شکر کوئی کرتا ہے کسی منعم و محسن کے اُس وصف پر جس سے خود شکر کرنے والے کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا ہو یا فیض حاصل ہوا ہو۔ جبکہ تعریف کسی صاحبِ جمال و کمال ہستی کے جملہ محاسن و کمالات کی کی جاتی ہے، خواہ اُس سے تعریف کرنے والے کی ذات کو کوئی نفع پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو۔ اس طرح تعریف کا دائرہ شکر سے وسیع تر ہو جاتا ہے اور لفظِ 'حمد' ان دونوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

'لِلّٰہ' کے آغاز میں لام حرفِ جار ہے اور یہاں اس کے بہت سے معنوں میں سے دو معانی بیک وقت مراد ہیں، ایک استحقاق اور دوسرے ملکیت۔ گویا کُل شکر و سپاس اور ثناء و تعریف کا مستحق بھی اللہ ہی ہے اور فی الواقع بھی یہ سب اُسی کی ہیں، خواہ کوئی مانے خواہ نہ مانے، اور خواہ کسی کو اس حقیقت کا ادراک و شعور حاصل ہو، خواہ وہ اپنی جہالت کے باعث اس سے محروم و محجوب رہے۔ گو کل شکر و تعریف "DEJURE" بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور "DEFACTO" بھی۔

لفظ 'اللّٰہ' کے بارے میں دو رائیں اہلِ تحقیق کے یہاں پائی جاتی ہیں: ایک یہ کہ یہ اسمِ جامد ہے اور خالقِ کون و مکان اور مالکِ ارض و سماء کا اسمِ ذات یعنی اسمِ علم ہے ——— اور دوسرے یہ کہ یہ لفظ "اِلٰہ" پر لامِ تعریف داخل کرنے سے بنا ہے، یعنی خاص اِلٰہ ——— یا وہ اِلٰہ جس میں کُل کی کُل اُلوہیت یا الوہیت کی تمام صفات جمع ہو گئی ہیں۔ پھر 'اِلٰہ' کے مادۂ اشتقاق کے اصل لغوی مفہوم کے اعتبار سے 'اِلٰہ' کے معانی کے بارے میں بھی تین آراء پائی جاتی ہیں: ایک وہ ہستی جس کی جانب انسان اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے رجوع کرے، دوسرے

وہ ہستی جس کی کُنہ ذات ہی نہیں صفات کی کیفیت وکمیّت کے بارے میں بھی انسان کو صرف حیرت و استعجاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو سکے۔ اور تیسرے وہ ذات جس سے انسان والہانہ محبت کرے۔ اور عجب حُسنِ اتفاق ہے کہ ذات باری تعالیٰ سے مختلف لوگوں کا تعلق اپنی اپنی افتادِ طبع اور شعور کی سطح کی مناسبت سے اسی طور سے مختلف ہے۔ چنانچہ عوام الناس کے لیے اللہ وہ ہستی ہے جس کی جانب وہ حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ فلسفہ وارباب دانش کے نزدیک اللہ وہ ہستی ہے جس کی ذات وصفات کے باب میں سوائے تحیّر کے انسان کے ہاتھ اور کچھ نہیں آیا۔ اور اربابِ صفا اور اصحابِ قلب کے نزدیک اللہ ہی محبوبِ حقیقی بھی ہے اور مطلوبِ اصلی بھی! ——— اور واقعہ یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کا صحیح حظ صرف ان ہی کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے اپنے ظرفِ دل ودماغ کے مطابق ایمان باللہ کے ضمن میں اِن تینوں نسبتوں کو جمع کرلیں۔

لفظ 'ربّ' کا اصل مفہوم مالک کا ہے۔ چنانچہ 'ربّ البیت' گھر کے مالک کو کہتے ہیں۔ البتہ لفظ 'ربّ' میں ایک ایسے مالک کا تصوّر سامنے آتا ہے جو اپنی ملکیت کو لے کر یونہی نہ بیٹھ رہے بلکہ اس میں کی ہر چیز کو ترقی دے' پالے پوسے' پروان چڑھائے اور اس کے وجود میں مضمر استعدادات کو پوری طرح بروئے کار آنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ گویا 'ربّ' میں مالک کے ساتھ ساتھ پروردگار اور پالنہار کا اضافی مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

'عالَمین' جمع ہے 'عالَم' کی۔ اِس کا مادۂ اشتقاق ہے 'علم' ——— اسمِ علم کسی شخص یا مقام کا وہ نام ہے جس سے اُس کی پہچان یا علم حاصل ہو جائے۔ اسی طرح سلسلۂ کون ومکاں اور جملہ مخلوقات وموجودات کو لفظِ عالَم سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مُوجِد' مُبدِع، خالق وصانع اور مصوّر و مُدبّر کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس لفظ کو عموماً قرآن جمع کی شکل میں لاتا ہے۔ گویا سلسلۂ مخلوقات وموجودات کے مختلف حصّوں یا شعبوں کو مختلف عالَم قرار دے دیا گیا' جیسے عالمِ جمادات، عالمِ نباتات، عالمِ حیوانات، عالمِ اِنس، عالمِ جنّ، عالمِ اجساد، عالمِ ارواح، عالمِ دُنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت وغیرہ وغیرہ۔ یہاں "العالَمین" پر لامِ تعریف کے اضافے نے پھر استغراق کا مضمون پیدا کر دیا ——— یعنی ربّ تمام جہانوں اور جمیع عالَموں کا۔

"ربّ العٰلمین" مرکّب اضافی ہے اور اس آیۂ مبارکہ میں یہ بطورِ نعت و صفت آیا ہے اللہ کے لیے۔ گویا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؁" کا پُورا ترجمہ ہوا: "کُل شکر اور تمام تعریف کا مستحق و مالک اللہ ہے جو مالک و پروردگار ہے تمام جہانوں کا!"

جیسے کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا، یہ سادہ سا جُملہ جس عظیم حقیقت کی جانب رہنمائی کر رہا ہے وہ نقطۂ آغاز ہے قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کا۔ اس لیے کہ اس میں ترجمانی کی گئی ہے ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان کے باطنی احساسات کی۔ اور وہ اس طرح کہ از روئے قرآن انسان کی فطرت کی صحت اور سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اُس کے قلب میں اپنے مُنعم اور مُحسن کے لیے جذباتِ شکر پیدا ہوں جو شکر یہ کے الفاظ کا جامہ پہن کر اُس کی زبان پر بھی وارد ہوں اور اُس کے پُورے وجود اور طرزِ عمل سے بھی ظاہر ہوں۔ جبکہ عقل کی صحت و سلامتی کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے اصل منعم و محسن کو پہچان لے۔ اور یہ جان لے کہ اگرچہ اس کی ربوبیت کا سامان نہایت وسیع و عریض سلسلۂ اسباب کے ذریعے اُس تک پہنچ رہا ہے، لیکن چونکہ اصل مسبّب الاسباب اللہ ہے لہٰذا وہی منعمِ حقیقی اور محسن حقیقی ہے۔ نتیجۃً اُس کا کُل جذبۂ تشکّر مرتکز ہو جائے ذاتِ باری تعالیٰ پر ـــــ یہی حقیقت ہے جسے سورۂ لقمان میں یُوں ادا فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ؕ" (اور ہم نے لقمان کو حکمت و دانائی عطا فرمائی کہ شکر اللہ کا!) گویا حکمت و دانائی جو حاصل جمع یا حاصل ضرب ہے فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی، اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرے۔

جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے تعریف کا دائرہ شکر سے وسیع تر ہو جاتا ہے اور اللہ کی تعریف عقلِ انسانی کے اس شعور و ادراک کا مظہر ہے کہ جُملہ محاسن اور تمام کمالات کا منبع و سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہی ہے ـــــ اور یہی حاصل ہے قرآنِ حکیم کی پہلی سورت یعنی سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت یعنی: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا! وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؁

بقیہ: حرفِ اوّل

سے مدینہ منوّرہ میں ایک لاکھ سے زیادہ حافظِ قرآن افراد موجود ہیں۔ خدا مولانا مرحوم کی قبر کو نُور سے بھر دے اور جنّت الفردوس میں اعلیٰ مرتبہ سے سرفراز فرمائے۔

منجانب افتخار فریدی"

سورۃ البقرہ آیات ۲۷۴ تا ۲۸۱

سُود کی ممانعت، خرچ کرنے کی ضد ہے

خرچ کرنے سے محبّت و مروّت اور ہمدردی و غم خواری کے جذبہ کو ترقی ہوتی ہے، جس سے خیر و بھلائی کے بہت سے کام انجام پاتے ہیں جبکہ سود سے بے رحمی و بے مروّتی اور خود غرضی و سنگدلی کے جذبہ کو ترقی ہوتی ہے، جس سے شر و برائی کے بہت سے کام ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر اللہ کی ہدایت نے خرچ کرنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی ہے۔ اور سُود کی زیادہ سے زیادہ ممانعت کی ہے۔

اللہ کی ہدایت میں سُود ایک بڑی لعنت ہے جو نہ صرف اس کے مزاج اور اس کی طبیعت کے خلاف ہے، بلکہ انسانوں کی فلاح و بہبود سے متعلق اس کی پوری اسکیم کو ختم کرنے والا ہے۔ اس بناء پر جس طرح بھی ہو اس لعنت کو ختم کرنا مسلم معاشرہ اور اسلامی حکومت کا اوّلین فریضہ ہے۔

سود سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پیداوار ہے اور سرمایہ دارانہ نظام ہی اس کو آگے بڑھاتا ہے۔ اب اگر اس کو ختم کرنا ہے تو پہلے اس نظام کو ختم کرنا ہوگا۔ مذہب کے نام پر سود کو ختم کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ اس نظام کو برقرار رکھتے ہوئے ختم کرنا چاہتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی کوشش کامیاب نہیں ہے۔ صرف تسلّی کے لیے ادارے قائم ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے لیے ذریعۂ معاش فراہم کر دیتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ
عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝

"جو لوگ دن رات اپنے مال اللہ کی راہ میں چھپا کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر و ثواب ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح زندگی گذارتے ہیں جس کو شیطان (جن) لپٹ کر بدحواس بنا دیتا ہے۔ اُن کی یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ ان کے قول کے مطابق سودی کاروبار تجارت ہی کی طرح ہے، حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا اور سُود کو حرام کیا ہے۔ جس شخص کو اپنے پروردگار کے پاس سے نصیحت پہنچی اور وہ سُود سے رُک گیا تو جو پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو پھر سے لینے لگے تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سُود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور ناشکرے گناہگار کو اللہ پسند نہیں کرتا ہے۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالح کیے اور نماز ٹھیک ادا کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے تو ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر و ثواب ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین

ہوں گے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سُود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے۔ اور اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا[۳]۔"

---

[۱] سود خوار کی یہ تصویر نہایت بھیانک ہے۔ آسیب زدہ کے ساتھ سود خوار کی مشابہت اپنے اندر بڑی گہرائی رکھتی ہے۔ یعنی جس طرح جن کے لگ جانے سے انسان ہوش و حواس کھو دیتا ہے اور بہت سی عقل کے خلاف باتیں کرتا اور انسانیت کے خلاف حرکتیں کرتا ہے جن کی وجہ سے لوگ اس سے ڈرتے اور دُور رہتے ہیں اسی طرح دولت کا بھوت سوار ہونے سے سود خوار کے انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں اور خلافِ عقل باتوں اور خلافِ انسانیت حرکتوں پر اتر آتا ہے۔ چنانچہ وہ دوسرے انسان کی محتاجی کو دولت مندی کا ذریعہ بناتا اور کچھ پرواہ نہیں کرتا ہے کہ اس کی خود غرضی سے انسانی محبت و مروت اور ہمدردی و غمخواری کا کس قدر خون ہوتا ہے اور انسانی فلاح و بہبود کے کاموں کی کس قدر جڑیں کٹتی ہیں؟ ایک بے رحم اور درندہ صفت انسان بن کر رہتا ہے جس سے دُور رہنے میں عافیت نظر آتی ہے۔

یہ حالت اس کی دنیوی زندگی میں ہوتی ہے۔ اخروی زندگی میں بھی وہ دیوانہ اور خبطی بن کر اُٹھے گا، لڑکھڑائے گا اور اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہ ہو سکے گا۔ حدیث میں ہے کہ جس کی جس حالت میں موت ہوتی ہے اسی حالت میں وہ اُٹھایا جائے گا۔ اس لحاظ سے اس کا حشر بہت برا ہوگا۔ بعض مفسرین نے انسان پر جن کے اثرات سے انکار کیا ہے اور آیت کی تفسیر مرگی، جنون وغیرہ قسم کی بیماری سے کی ہے۔ لیکن تجربات و مشاہدات کی بنا پر مجھے بعض خاص حالتوں میں انسان پر جنوں کے اثرات سے انکار کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے۔

آیت میں خبیث جن کے لیے شیطان کا لفظ آیا ہے۔ سود خوار کی مشابہت ایسے آسیب زدہ سے دی گئی ہے جس کو معمولی نہیں بلکہ خبیث جن چمٹ گیا ہو۔ یہ تصویر اس سُود خوار کی ہے جو سُود کو حلال سمجھ کر کھائے اور جو حرام جان کر کھائے تو اس کے اور حلال جان کر کھانے والے کے عمل میں کوئی

فرق نہیں ہے، اعتقاد کا فرق ہے۔ ایک اس کو حلال جانتا ہے اور دوسرا اس کو حرام جانتا ہے۔ اس لحاظ سے اللہ آخرت کی سزا میں جو چاہے تخفیف کر دے۔

۲؎ یہ اللہ کی اُس پالیسی کا اعلان ہے جس کے تحت وہ اپنی ہدایت کا نظام چلاتا ہے یعنی اللہ کی ہدایت ہر قیمت پر سُود کو مٹاتی اور صدقات کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، کیونکہ سُود سے سرمایہ داری پیدا ہوتی اور سرمایہ داری سُود کو پیدا کرتی ہے اور اللہ کی ہدایت کو سرمایہ داری اور سُود دونوں گوارا نہیں ہیں۔

۳؎ کسی گناہ پر جنگ کا اعلان نیا اندازِ بیان ہے جو اس کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ کی ہدایت کے پورے نظام میں غالباً سود ہی پر یہ اعلان ہوا ہے اور یہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔

تنگدست قرضدار کو مہلت دو یا اس کو بخش دو!

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۡ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

"اور اگر قرضدار تنگدست ہے تو سہولت ہونے تک اس کو مہلت دو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو بخش دو (اس سے کچھ بھی نہ لو)[1] اور اس دن کی باز پرس سے ڈرو جس دن اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہوگی[2]"۔

۱؎ قرض پر سود لیا جاتا ہے لیکن اللہ کی ہدایت میں یہ حکم ہے کہ قرضدار کو مہلت دی جائے یا بالکلیہ معافی دے دی جائے۔

۲؎ برائیوں کے چھوڑنے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے یہاں باز پرس ہوگی۔ اور اس کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ سُود کی برائی بیان کرنے کے بعد اس آیت میں اسی پر زور دیا گیا ہے اور اس جگہ بڑی برمحل یہ آیت ہے۔ (جاری ہے)

امام عبدالعظیم منذریؒ

(م ۶۵۶ھ)

شیخ الاسلام ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری یکم شعبان ۵۸۱ھ کو مصر میں پیدا ہوئے[۱] علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے آپ کی جائے پیدائش شام بتائی ہے[۲] تحصیلِ تعلیم کے لیے آپ نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، دمشق، حران، اور اسکندریہ کے سفر کیے اور ہر جگہ کے اساطینِ فن سے استفادہ کیا۔ آپ کے اساتذہ کی فہرست علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ)، حافظ ابن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ھ)، علامہ ابن سبکی (م ۷۷۱ھ) اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہے[۳]

آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے اکابر محدثین کے نام ملتے ہیں۔ شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں[۴]

امام منذری کے علمی تبحر، فضل و کمال، حفظ و ضبط اور عدالت و ثقاہت کا ارباب سیر اور علمائے کرام نے اعتراف کیا ہے۔ حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے حسن المحاضرہ میں شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

> ہمارے شیخ زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری فنِ حدیث میں عدیم المثال تھے۔ حدیث کے صحیح و سلیم اور معلول کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے احکام و معانی اور اس کی مشکلات کو حل کرنے میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ اور اس کے لغات اور ضبط الفاظ میں

کامل تھے۔ احادیث کے لفظی فروق پر گہری نظر تھی۔ نہایت متقی اور پرہیزگار اور قانع انسان تھے۔ میں نے ان سے حدیث پڑھی ہے اور بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔" [۵]

علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) کے حالات میں شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ الشاذلی (م ۶۵۶ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

"قال الشیخ ابو الحسن الشاذلی قیل لی ما علی وجہ الارض مجلسٌ فی الفقہ ابھیٰ عن مجلس الشیخ عزالدین بن عبد السلام وما علی وجہ الارض مجلس فی الحدیث ابھیٰ من مجلس الشیخ ذکی الدین عبد العظیم وما علی وجہ الارض مجلس فی علم الحقائق ابھی عن مجلسك" [۶]

(مجھ سے کہا گیا ہے کہ روئے زمین پر علم فقہ کی کوئی مجلس شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی مجلس سے بہتر نہیں ہے اور روئے زمین پر علم حدیث میں کوئی مجلس شیخ ذکی الدین عبدالعظیم منذری کی مجلس سے بارونق و عمدہ نہیں اور تختۂ زمین پر علم حقائق و معارف کے لحاظ سے تمہاری مجلس سے عمدہ و بہتر کوئی مجلس نہیں ہے)

علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کے استاد حافظ صفی الدین عبدالمؤمن بن عبدالحق بغدادی (م ۷۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

اتیتُہ مبتدیًا وفارقتُہ حصیدًا [۷]

(میں ان کے پاس مبتدی کی حیثیت سے آیا تھا اور فاضل بن کر ان کے پاس سے گیا

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

عنی بھذا الشأن حتیٰ فاق اھل زمانہ فیہ [۸]

(فنِ حدیث میں دائم الاشتغال اور منہمک رہے۔ یہاں تک کہ اپنے اہلِ زمانہ سے سبقت لے گئے۔

وفات : حافظ منذری نے ۶۵۶ھ میں مصر میں انتقال کیا۔[9]

تصنیفات امام منذری نے حدیث، فقہ، تاریخ اور رجال پر کتابیں لکھی ہیں ان میں سے چند ایک کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مختصر سنن ابی داؤد : حافظ منذری نے امام ابوداؤد سجستانی (م ۲۷۵ھ) کی سنن ابی داؤد کا مختصر لکھا ہے۔ اس کے متعلق صاحب کشف الظنون حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ (م ۱۰۶۷ھ) نے حافظ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے :

"انّ الحافظ ذکی الدّین المنذری قد احسَن فِی اختصاره فهذبته نحو ما هذب هو بهٖ الاصل و زدتُ علیه من الکلام علیٰ عللٍ سکت عنها اذ لم یکملها[10]"

(حافظ ذکی الدین منذری، نے اس (سنن) کا بڑا اچھا اختصار کیا ہے۔ میں نے بھی اسی نہج پر اس کو مرتب و مہذب کیا ہے[11] اور جن علل وغیرہ پر انہوں نے سکوت کیا تھا، ان پر بھی کلام کیا ہے اس لیے کہ منذری اس کو مکمل نہیں کر سکے تھے۔)

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) مختصر سنن ابی داؤد کے بارے میں لکھتے ہیں :

"وهو احسن اختصارًا من الاوّل[12]"

(مختصر صحیح مسلم سے سنن ابی داؤد کا اختصار زیادہ عمدہ ہے۔)

مختصر صحیح مسلم : امام مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱ھ) کی الجامع الصحیح المسلم کا مختصر ہے۔ اس کی شرح محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں صاحب رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) نے السراج الوہاج کے نام سے لکھی ہے[13]

الترغیب والترہیب : اس کتاب میں حافظ عبدالعظیم منذری نے وہ احادیث جمع کی ہیں۔ جن میں صراحت کے ساتھ ترغیب اور ترہیب یعنی نیک اعمال پر اجر و ثواب اور بداعمالیوں پر سزا و عذاب کا مضمون تھا۔

حافظ منذری نے اس کتاب میں حدیث کی درج ذیل کتابوں سے احادیث کا انتخاب کیا ہے :

(۱) المؤطا۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ)
(۲) مسند احمد۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)
(۳) صحیح البخاری، امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)
(۴) صحیح مسلم۔ امام مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱ھ)
(۵) سنن ابی داؤد۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)
(۶) کتاب المراسیل لابی داؤد
(۷) جامع الترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ)
(۸) السنن الکبریٰ، امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (م ۳۰۳ھ)
(۹) کتاب الیوم واللیلہ۔ امام نسائی
(۱۰) سنن ابنِ ماجہ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ (م ۲۷۳ھ)
(۱۱) المعجم الکبیر۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (م ۳۶۰ھ)
(۱۲) المعجم الاوسط۔ امام طبرانی
(۱۳) المعجم الصغیر۔ امام طبرانی
(۱۴) مسند ابی یعلیٰ، امام ابویعلیٰ موصلی (م ۳۰۷ھ)
(۱۵) مسند بزار۔ امام ابوبکر احمد بن عمرو بزار (م ۲۹۲ھ)
(۱۶) صحیح ابن حبان۔ امام ابنِ حبان بُستی (م ۳۵۴ھ)
(۱۷) المستدرک علی الصحیحین۔ امام ابوعبداللہ حاکم (م ۴۰۵ھ)
(۱۸) صحیح ابنِ خزیمہ۔ امام ابنِ خزیمہ (م ۳۱۱ھ)
(۱۹) شعب الایمان۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ)
(۲۰) کتاب الزہد الکبیر۔ امام بیہقی
(۲۱) الترغیب والترہیب۔ امام ابوالقاسم الاصبہانی [۱۲]

امام منذری کی یہ کتاب یعنی الترغیب والترہیب کوئی دقیق علمی کتاب نہ تھی کہ جس کے سمجھنے کے لیے شروح وحواشی کی ضرورت ہو۔ تاہم علمائے کرام نے اس

کی طرف توجہ کی اور اس کے شروح و حواشی لکھے۔ شیخ الاسلام حافظ علی بن احمد بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے اس کی تلخیص کی ہے۔ الترغیب والترہیب کی شرح علامہ برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن محمود بن بدر الحلبی (دمشقی الشافعی الفاجی (م ۸۱۰ھ) نے لکھی [۱۵] شیخ مصطفےٰ بن محمد عمارہ نے اس کے حواشی لکھے ہیں جو بہت ضخیم حواشی ہیں اور کتاب کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔

الترغیب والترہیب کے اردو میں بھی کئی ایک تراجم ہو چکے ہیں۔

---

۱ ابن عماد الحنبلی، شذرات الذہب ج ۵ ص ۴۱۶ ۲ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۱۲ -

۳ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۴ ص ۲۰۴، ابن العماد الحنبلی، شذرات الذہب ج ۵ ص ۴۱۵

ابن سبکی، طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۴۹، سیوطی بغیۃ الوعاۃ ص ۸۶ -

۴ ابن سبکی، طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۹ - ابن عماد الحنبلی شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۷۸ -

۵ سیوطی، حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۲۶ - ۶ سیوطی، حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۲۷ -

۷ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۲۱ - ۸ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۱۲ -

۹ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۷۷، سیوطی، حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۴۹

۱۰ حاجی خلیفہ مصطفےٰ، کشف الظنون ج ۲ ص ۳۵ -

۱۱ حافظ ابن القیم (م ۷۵۱ھ)، سنن ابی داؤد کی شرح تہذیب السنن کے نام سے لکھی ہے (عراق)

۱۲ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۱۲ -

۱۳ نواب صدیق حسن خاں، مقدمہ السراج الوہاج ص ۳، التاج المکلل صفحہ ۱۶۶ -

عبدالسلام مبارک پوری، سیرۃ البخاری ص ۴۲۰،

۱۴ عبدالعظیم منذری، مقدمہ الترغیب والترہیب -

۱۵ حاجی خلیفہ مصطفےٰ، کشف الظنون ج ۱ ص ۲۸۱، ابن العماد الحنبلی، شذرات الذہب ج ۷ ص ۲۳۳

سخاوی، الضوء اللامع ج ۱ ص ۱۶۶، محمد بن جعفر کتانی (م ۱۳۴۵ھ) الرسالہ المستطرفہ ص ۱۴۸ -

توضیح وتنقیح

"مروّجہ نظامِ زمینداری اور اسلام"
ایک وقیع اور عالمانہ کاوش

سیّد الفقہاء امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو اُجاگر کرنا وقت کی اہم ضرورت

ازقلم: مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

"مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" مخدوم گرامی مولانا محمد طاسین کی ایک نہایت درجہ عالمانہ کاوش ہے جو ۱۹۸۸ء میں "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" سے شائع ہوئی، جبکہ یہ کتاب اس سے کئی سال پہلے "ماہنامہ حکمت قرآن لاہور" کی پندرہ اشاعتوں میں قسط وار شائع ہو چکی تھی۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے صدر مؤسس اور "ماہنامہ حکمت قرآن لاہور" کے مدیر مسئول محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس قیمتی علمی مقالہ کو کتابی شکل میں جلد سے جلد شائع کرنے کے متمنی تھے، لیکن بوجوہ دیر ہوتی چلی گئی اور بالآخر ۱۹۸۸ء میں کتاب سامنے آگئی۔

مولانا محمد طاسین ایک درویش منش عالم دین ہیں۔ ہزارہ ڈویژن کے معروف شہر "ہری پور" سے تعلق ہے لیکن عمر عزیز انڈیا کے معروف شہر امروہہ کے بعد اب کراچی میں گزر رہی ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے اختلاف کے بعد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ صوبہ گجرات کے قصبہ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے جہاں قدرت کی عنایت سے پہلے سے موجود محدود نوعیت کا مدرسہ اُس علاقہ کی عظیم دینی درسگاہ بن گئی۔ وہاں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے توجہ دلانے سے آپ کے بعض عزیز شاگردوں نے ایک علمی مجلس کی داغ بیل ڈالی جس نے بعض نہایت درجہ اہم کتابیں بڑے اہتمام سے شائع کیں اور ایک مثالی لائبریری کا اہتمام کیا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ سارا سسٹم کراچی منتقل ہوگیا اور مولانا اپنے بزرگوں کی خواہش پر اس "مجلس علمی" کے ناظم و نگران قرار پائے۔

کراچی کی معروف شاہراہ "بندر روڈ" کے ہنگامہ خیز چوراہے "ٹاور" پر ایک قدیم وضع کی بلڈنگ کے ایک حصہ میں یہ لائبریری موجود ہے جو کراچی کے اہل علم و فضل کے لئے "گوشۂ طمانیت" کا درجہ رکھتی ہے اور لاتعداد متلاشیانِ علم اور طالبانِ حقیقت اس سے استفادہ کر چکے ہیں۔ اسی لائبریری کے ایک گوشہ کی مختصر سی رہائش گاہ میں حضرت مولانا مقیم ہیں۔ بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ کر لائبریری کے مین ہال میں داخل ہوتے ہی ایک منحنی وجود کا انسان سفید کپڑوں اور قراقلی ٹوپی میں ملبوس آپ کو مسکراتے چہرے کے ساتھ ملے گا' آپ کو خوش آمدید کہے گا... یہی مولانا محمد طاسین ہیں... علمی طور پر آپ کی بھرپور معاونت و خدمت ہوگی اور بوقت ضرورت ضیافت بھی۔ عصر حاضر میں علم کے حوالہ سے جو روایات بن چکی ہیں' مولانا میں ان میں سے کوئی بھی روایت نہیں' البتہ قدیم کتابی ذخیرہ میں اہل علم کے حوالہ سے جو کچھ پڑھا' اس کی جھلکیاں مولانا کی سیرت و کردار میں نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا "شرفاء" سے خالی نہیں ہوئی۔

مولانا المحترم محض "مجلس علمی" کے ناظم ہی نہیں بلکہ علمی دنیا کے ایک خاموش اسکالر ہیں جن کی علمی صلاحیتوں کا ہر شریف آدمی معترف ہے۔ مولانا المحترم کا خاص موضوع "معاشی مسائل" ہیں جس کے حوالہ سے مندرجہ بالا معیاری اور ٹھوس علمی کتاب کے علاوہ بھی ان کے متعدد مقالے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں اور ایک دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد طاسین نے لکھا ہے:

"جاننے والے جانتے ہیں کہ دور حاضر کو معاشیات کا دور بھی کہا جاتا ہے' شاید اس وجہ سے کہ اس دور میں زندگی کے معاشی پہلو اور اقتصادی شعبے کو جس قدر اہمیت حاصل ہوگئی ہے اس سے پہلے کبھی اس قدر حاصل نہ تھی' بلاشبہ آج انسانی ذہن پر جو رجحان سب سے قوی اور غالب ہے وہ معاشی رجحان ہے"۔ (کتاب مذکور ص ۹)

مولانا کی یہ بات بڑی اہم ہے اور امرواقعہ یہ ہے کہ آج یہی صورت حال ہے جس کا ذکر انہوں نے کیا۔ آج دنیائے انسانیت اسی حوالہ سے تقسیم ہو رہی ہے اور انہی مسائل کو

ہر اعتبار سے بنیاد بنا لیا گیا ہے' لیکن دنیائے انسانیت کی قیادت کی مدعی قوم ... مسلمان قوم ... کا جو حال ہے اس کا تذکرہ بھی مولانا ہی کے الفاظ میں مناسب ہوگا:

"اُدھر ہم مسلمانوں کا بڑے زور شور سے یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام ہے جو اشتراکی اور سرمایہ دارانہ دونوں معاشی نظاموں سے بنیادی طور پر مختلف اور افادی طور پر بہتر ہے' لیکن افسوس کہ اب تک ہم اپنے اس دعوے کا نہ عملی طور پر ثبوت پیش کر سکے ہیں نہ علمی اور نظری طور پر"۔ (ص ۱۰)

واقعہ یہی ہے کہ آج کی مسلم دنیا کے لگ بھگ ۵۰ ممالک ہیں جن میں سعودیہ بھی شامل ہے اور پاکستان بھی' ترکی بھی ہے اور مصر بھی ..... سعودیہ کی طرف سے دنیا کے مختلف حصوں میں مساجد وغیرہ کی تعمیر اور اندرون ملک چند سزاؤں کے حوالہ سے بڑا شہرہ ہے' پاکستان میں "نظریہ" کا بڑا ہنگامہ ہے' ترکی مدتوں "اسلامی خلافت" کا مرکز رہ چکا ہے اور مصر علمی حوالہ سے دنیا کی قیادت کا دعوے دار ہے' "الازہر" اور اس کی مخصوص شعبوں میں خدمات واقعی بڑی اہم ہیں' لیکن ان سمیت کسی ایک ملک میں بھی تو "اسلامی نظام" من کلّ الوجوہ موجود نہیں اور پوری ذمہ داری سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان تمام ممالک کا نظام "سودی روایات" سے مرتب ہے ..... اور سود وہ لعنت ہے جس کے علمبرداروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اعلان جنگ کی دھمکی دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ اس طرح اپنے پیدا کرنے والے سے جنگ کی تدبیر کر رہے ہیں۔

"روسی انقلاب" کے ابتدائی سالوں میں جو مسلم زعماء وہاں گئے ان میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد عزیز مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہ کا نام سب سے اہم ہے۔ مولانا سندھی نے بڑے دکھ کے ساتھ اپنی خود نوشت میں لکھا ہے کہ:

"روسی قیادت سے اس معاملہ میں جب بات چیت ہوئی تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس سے متأثر نہ ہو لیکن اُن کے ایک سوال نے ہماری شرمندگی کا سامان کیا کہ کس مسلم ریاست میں یہ نظام عملاً موجود ہے؟ لیکن افسوس کہ اس کا کوئی مثبت جواب ہمارے پاس نہ تھا"۔

یہ ۲۳-۱۹۲۲ء کی بات ہے' اب ۹۱-۱۹۹۰ء ہے۔ وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا'

لیکن افسوس کہ مسلم ریاستوں کا معاملہ جوں کا توں ہے اور کوئی ایک مسلم ریاست بھی ایسی نہیں جس میں دعوے کے مطابق "صحیح اسلامی معاشی نظام" موجود ہو۔ یہی بات ہے جس کا مولانا محمد طاسین نے ماتم کیا۔ رہ گیا معاملہ علمی و نظری طور پر معاشی نظام کا تو مولانا نے تفصیل سے بتلایا ہے کہ متفرق اجزاء پر اِدھر اُدھر کام تو ہوا ... گو وہ بھی بہت محدود پیمانے پر ..... لیکن بقول مولانا:

"میں سمجھتا ہوں مسلمان علمائے کرام کے ذمے یہ کام کرنا باقی ہے اور انہیں یہ کام اس لئے بھی ضرور کرنا چاہئے کہ عہد حاضر میں اس کا کرنا دین اسلام کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے"۔ (ص ۱۱)

لیکن وا حسرتا کہ "اسلامی نظام" کا ہنگامہ تو ہر طرف خوب ہے لیکن کام کوئی نہیں۔ اس کا بڑا واضح نقصان ہمارے سامنے یہ ہے کہ غیر مسلم دنیا کے لئے عملی دعوت کا تو کیا انتظام ہوتا' خود مسلم امہ کے ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان تنفّر کا شکار ہو رہے ہیں کہ معاشرہ ان کے حقوق پورے کرنے سے قاصر ہے۔ اور عملاً وہ صورت بن چکی ہے جس کا اظہار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ نے اپنی ایک رباعی میں کیا اور یہ رباعی حسرت لدھیانوی کی نذر کردی۔ اب یہ رباعی حسرت کے مجموعہ میں موجود ہے:

ملیں اس لئے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دختران وطن تار تار کو ترسیں
چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

ایسے حالات میں ایک شخص ہمت کر کے اٹھتا ہے' قرآن مجید کے علاوہ حدیث' فقہ' تفسیر' اقتصاد و اجتماع اور لغت و اسماء الرجال وغیرہ کی ۷۷ اہم اور بنیادی کتابوں کو سالہا سال کھنگالتا ہے' پھر غور و فکر کر کے' نتائج اخذ کر کے ایک علمی ارمغان اہل علم کے سامنے پیش کرتا ہے تو اہل علم کا فرض ہے کہ وہ اس کی پذیرائی کریں' ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر اس کا مطالعہ کریں' نتائج اخذ کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو علمی انداز سے مذاکرہ کر کے اس کی اصلاح کریں ..... لیکن ستم یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس کی روایت نہیں اور صدیوں سے جو روایات ہمارے یہاں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہیں ان کے

متعلق ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں اور گزشتہ صدیوں کے کسی "صاحب علم" کے کسی نظریہ پر "تنقید" کو فوراً منفی رنگ دے کر اس قسم کی جسارت کرنے والے پر طعن و تعریض کے تیر برسانا شروع کر دیئے جاتے ہیں۔

○○○○○

مولانا محمد طاسین میرے بہت ہی کرم فرما ہیں اور میرے والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے بہت ہی مخلصانہ مراسم تھے ..... ایسے میں مولانا قاضی عبدالکریم زید مجدہم مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان بھی اس فقیر کے پرانے کرم فرما، مخلص بزرگ اور ابّا مرحوم کے تعلق والے ہیں۔ اس لئے آج میں ایک بہت ہی مشکل مرحلہ سے دوچار ہوں اور اس مشکل کا سبب مخدوم گرامی قاضی صاحب کا وہ مقالہ ہے جو میری ابتدائی مادر علمی "مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان" کے آرگن ماہنامہ "الخیر" کی ایک قریبی اشاعت میں سامنے آیا۔ "مدرسہ خیر المدارس" تقسیم سے قبل مشہور شہر جالندھر میں حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حد درجہ نیاز مند خادم، صاحب نظر و بصیرت عالم مولانا خیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا۔ مشہور احراری عالم مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے دست راست تھے۔ اس مدرسہ کی جالندھر اور تقسیم کے بعد ملتان میں عظیم خدمات ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں مولانا خیر محمد انتقال فرما گئے تو ان کے صاحب علم صاحبزادے استاذی مولانا محمد شریف رحمہ اللہ تعالیٰ ذمہ دار قرار پائے۔ چند سال قبل سفر حج کے دوران وہ مکہ معظمہ میں جوار الٰہی میں پہنچ گئے تو لاہور کی ایک پارٹی کی طرف سے اس مدرسہ کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس خطرہ کو ٹالنے کے لئے مولانا محمد شریف کے جواں سال فرزند کو اہتمام کی ذمہ داری سونپی گئی جو اپنے عظیم اسلاف کی خاموش خدمت کے بجائے سٹیج کے آدمی ہونے کے سبب بہت کچھ کر گزرتے ہیں اور "صاحبزادگی" کی روایات کے حوالہ سے داستانوں کی ایک تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ انہی داستانوں میں اس عظیم درسگاہ کے مجلّہ کا معاملہ ہے جو ایک علمی مجلّہ ہونے کے بجائے "روایتی زرد صحافت" کی علمبرداری میں اکثر پیش پیش رہتا ہے ..... اس لئے اس میں کسی مضمون کا اشاعت پذیر ہونا کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کا نوٹس لیا جائے ..... لیکن مخدوم گرامی مولانا قاضی عبدالکریم کے قلم سے چونکہ یہ تحریر آئی ہے اس لئے بادل نخواستہ احقر کو متوجہ ہونا پڑا۔

مندرجہ مضمون کا عنوان ہے: "مسئلہ مزارعت' صاحبین کا مسلک اور اسلاف پر تنقید" ..... محترم قاضی صاحب نے اکتوبر ۸۴ء کا "حکمت قرآن" کا شمارہ کہیں ان ایام میں دیکھا جس میں اس مقالہ کی آخری یعنی ۱۵ویں قسط تھی۔ قاضی صاحب کے ۱۰ صفحات کے اس مضمون کی ابتدا "حکمت قرآن کی حکمت عملیہ کے عین مطابق اسلاف کرام اور فقہائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے دامن تقدس پر چھینٹے ڈالنا" ..... (رسالہ مذکور ص ۴۲) سے ہوتی ہے' جو ظاہر ہے کہ ایک بڑا دعویٰ ہے اور "الخیر" کے قارئین کو یہ باور کرانا ہے کہ اسلاف و فقہاء کے دامن پر چھینٹے ڈالنا "حکمت قرآن" کی پالیسی ہے۔

"حکمت قرآن" کے کرتا دھرتا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں۔ ان سے میں بھی واقف ہوں اور بھی بہت سے لوگ واقف ہیں۔ وہ اپنی قرآنی خدمات کے حوالہ سے ملک و بیرون ملک حاصے متعارف ہیں اور اب ایک عرصہ سے "تنظیم اسلامی" کے حوالہ سے ایک جماعت کا نظم بھی چلا رہے ہیں جو مروجہ سیاسیات سے الگ تھلگ رہ کر "انقلابِ اسلامی" کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ ان کی فکر کے کسی گوشہ سے اختلاف ممکن ہے ..... خود مجھے ہے' جس کا اظہار میں اپنے ایک طویل مقالہ میں کر چکا ہوں ..... لیکن "اسلاف و فقہاء کے دامن اقدس کو داغدار کرنے کی روایت" ان کے کھاتہ میں ڈالنے کو کس چیز کا نام دیا جائے؟ حضرت قاضی صاحب کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں اسے "بہتان" سے تعبیر کرتا۔ لیکن ہم جیسے چھوٹے احترام کی روایت کے علمبردار ہیں' یہی ہماری تربیت ہے' اس لئے میں ایسی جسارت نہیں کر سکتا' تاہم اپنے مخدوم قاضی صاحب سے یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب سے آپ ضرور اختلاف کریں' یہ آپ کا حق ہے' میں نے خود اپنے اس حق کا استعمال کیا ہے' لیکن اسلاف و فقہاء کے دامن کو داغدار کرنے کی ان کے یہاں بالکل روایت نہیں۔ وہ ان معاملات میں اتنے حساس ہیں کہ مرحوم علامہ اقبال کی یاد میں منعقد ہونے والی تقریب میں' جہاں عمائدینِ حکومت' ارباب مسلم لیگ اور ایسے ہی حضرات جمع تھے ..... حسین احمد مدنی اور ابو الکلام آزاد (رحمہما اللہ تعالیٰ) جیسے مظلوم شرفاء پر تنقید سے وہ برہم ہو جاتے ہیں اور نہ صرف اس پر تنقید کرتے ہیں بلکہ ان حضرات کی خوبی و کمالات کا کھلے دل سے اعتراف کر کے وطن عزیز کے تھڑدلے عمائدین کو ہدایت کرتے ہیں کہ اس روش کو ترک کر دیں۔ ڈاکٹر صاحب جب

قریبی اکابر کے معاملہ میں اتنے حساس ہیں تو گزشتہ ادوار کے گرامی قدر اسلاف کے دامن کو داغدار کرنے کی روایت کا انہیں ملزم گردانا بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس روش سے محفوظ فرمائے۔

اگلے صفحہ پر ارشاد ہوتا ہے:

"یہ مولانا محمد طاسین صاحب اگر اسی قماش کے کوئی شخص ہیں جس قماش کے حکمت قرآن کے مدیر مسئول ہیں جو اس پندار میں مبتلا ہیں کہ آج کے مجتہد ائمہ اربعہ رحمتہ اللہ علیہم اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے ان کے درمیان جج بننے کی پوزیشن میں ہیں اور اس طرح ان پانچ فقہوں کے کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنے کے اہل ہیں" الخ (الخیر ص ۴۳)

ان ارشادات کے متعلق میں کیا عرض کروں ..... افسوس کہ ایک شریف النفس' مخلص اور متدیّن عالمِ دین کے خلاف یہ رویہ' جن کے متعلق لاتعداد لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان کی زبان سے کسی نے کسی عام شخص کی غیبت نہیں سنی' جو عصر رواں کے اہل علم کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان کی زبان سے کسی نے دکھ نہیں اٹھایا' انہوں نے پوری زندگی "طالب علمانہ" انداز میں گزار کر محض علم کی خدمت کی اور کبھی کسی انداز کا دعویٰ نہیں کیا' جب قلم اٹھایا' محض طالب علمانہ انداز سے اور اس احساس کے ساتھ کہ اس سے خلق خدا کو فائدہ پہنچ جائے۔ مسئلہ مزارعت کے جس حصہ کو ایک خط میں پڑھ کر محترم قاضی صاحب اتنے برہم ہوئے وہ "مزارعت اور تعاملِ امت" کی بحث ہے جس کے آخر میں مولانا المحترم نے اپنی اس کوشش کو "طالب علمانہ انداز کی محنت و کاوش" قرار دیا اور لکھا:

"میری یہ کوشش و کاوش کامیاب ہے یا ناکام' یا کس حد تک کامیاب اور کس حد تک ناکام ہے' اس کا فیصلہ تو حقیقت پسند اور منصف مزاج اہل علم ہی کر سکتے ہیں' البتہ میں اظہار حقیقت کے طور پر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس کے لکھنے کا محرک سوائے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے دوسرا کوئی جذبہ نہ تھا۔ بہرحال یہ ایک غیر معصوم انسان کی انفرادی کوشش ہے' لہٰذا اس میں غلطیوں کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جو صاحب مجھے ان پر متنبہ کریں گے میں ان کا ممنون و شکر گزار ہوں گا" (مروجہ نظام زمینداری اور اسلام' ص ۲۵۰)

قاضی صاحب محترم خود ہی بتلائیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ سے قلم اٹھانے والے کو طعن و طنز کے تیروں سے چھلنی کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ بہتر ہوتا کہ نتائج فکر سے یا کسی بات سے اختلاف تھا تو علمی مذاکرات کے ذریعہ اس کو حل کیا جاتا ..... جبکہ چند سطور کے بعد مولانا قاضی عبدالکریم' خود مولانا محمد طاسین کو "اپنے جیسے طلبا کا کرم فرما" بھی کہہ رہے ہیں (رسالہ مذکور ص ۴۳) تو پھر اس کرم فرما سے علمی مذاکرہ میں کیا حرج ہے؟ اور لطف یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے جو احقر کی "ادارت خدام الدین" کے زمانہ میں شائع ہوا تھا (۱۹ر اکتوبر ۷۹ء) جس کا خلاصہ موصوف کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

"موجودہ زمینداریاں نفاذ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں' یہ پیٹ پرست مسلمانوں کو دہریت اور الحاد کی گود میں ڈلوا رہی ہیں' ایسے حالات میں علماء غور کریں اور صاحبین (حضرت الامام ابو یوسف اور حضرت الامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) کے مسلک کی بجائے الامام (حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کے مسلک پر نہ صرف فتویٰ دیں بلکہ ارباب اقتدار سے اس پر عمل کرانے کی تحریک بھی چلائیں"۔

(الخیر' ص ۵۱)

اور موصوف نے اسی حوالہ سے اپنے ایک اور مضمون کی بھی نشاندہی فرمائی جو "ماہنامہ بینات کراچی" کی محرم ۱۴۰۰ھ کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس کا لب لباب بھی یہی تھا۔ تو جب آپ خود بھی شدت سے اس کو محسوس فرماتے ہیں تو مولانا محمد طاسین کی علمی کاوش سے برہمی کیوں؟ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"میرے مضمون میں کمی اور کوتاہی یہی تھی کہ میں نے امام ابو یوسف' امام محمد اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے مسلک پر فتویٰ دینے والے متاخرین اور ارباب ترجیح کو گالیاں نہیں دیں"۔ (ص ۵۱)

جس کا معنی یہ ہے کہ مولانا محمد طاسین نے گالیاں دی ہیں؟ ..... فیا للعجب ..... چند سطر بعد بھی قاضی صاحب نے اسی قسم کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"بہرحال صاحب مضمون کو مزارعت بالحصّہ کے خلاف تحقیق یا تحریک کا تو حق تھا لیکن اسلاف کو گالیاں دے کر انہوں نے لاکھوں سے زیادہ وابستگانِ مذہب کا دل مجروح کر دیا ہے" (ص ۵۱)

ہمیں یہی تو عرض کرنا ہے کہ مولانا تو ایسے نہیں ہیں۔ وہ تو کسی عام شخص کے معاملہ میں بھی منہ سے ایسی بات نہیں نکالتے' چہ جائیکہ اسلاف کو کوسیں۔ لیکن حضرت قاضی صاحب برابر "اسلاف کو گالیاں دینے" کا الزام لگا رہے ہیں۔ کاش ان کی نظر ان الفاظ قرآنی پر ہوتی کہ: "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا" ..... علمی تحقیق اور کسی ایک مسلک کو مرجوح ثابت کرنا اسلاف کو گالی تو نہیں! آخر حدیث و فقہ کی کتابوں کی تدریس کے دوران ہر مسلک کا مدرس اپنے مسلک کے ائمہ کے اقوال کو راجح اور دوسرے ائمہ کے اقوال کو مرجوح قرار دیتا ہی ہے۔ اس میں گالی کی کون سی بات ہے؟ افسوس یہ ہے کہ آج ہماری اکثریت توازن و اعتدال کے رویہ سے محروم ہوگئی ہے اور جمود کے خوفناک رویہ نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مجھے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک صاحب میرے مولانا ابوالکلام کے تعلق پر خاصے برہم تھے۔ کہنے لگے کہ تمہیں یہ مناسب نہیں' ابوالکلام تو بہت غلط آدمی ہیں ..... میں نے عرض کیا: کیوں؟ انہوں نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۳ میں "فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا" کے حوالہ سے کہا کہ تمہارے ابوالکلام نے اس سے ذلت و محکومی کی زندگی مراد لی ہے اور بخاری کی حدیث جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے کہ ان سے تین مرتبہ جھوٹ کا ارتکاب ہوا' اسے غلط قرار دیا ہے' حالانکہ بخاری "اَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ" ہے ..... تو میں نے عرض کیا کہ البقرہ کی مذکورہ آیت سے متعلق یہ نقطہ نظر بہت سے مفسرین کا ہے۔ بعض حوالے بھی انہیں دکھلائے اور جہاں تک بخاری کی روایت کا تعلق ہے تو میں نے عرض کیا کہ مولانا ابوالکلام نے یہی تو لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کے معصوم نبی و رسول ہیں اور حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام تر جلالتِ علمی کے باوصف معصوم نہیں ..... اس لئے ان کی اس عظیم کاوش کی چند احادیث و روایات کمزور ثابت ہو جائیں تو قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی' لیکن اس حدیث کو صحیح ماننے سے حضرت ابراہیم کی ردائے عصمت مجروح ہوگی ..... تو اس میں مولانا نے کیا غلط لکھا؟ الغرض اصل مصیبت یہ بن آئی کہ علمی نقد و جرح اور علمی اختلاف کو گوارا نہ کرنے کی روایت اپنا لی گئی اور اس کو اسلاف کی توہین اور انہیں گالیاں دینے کا عنوان قرار دے دیا گیا..... حالانکہ بات ایسی نہیں ہوتی۔

○○○○○

محترم قاضی صاحب کا مضمون مندرجہ "الخیر" سامنے آیا تو "حکمتِ قرآن" کے مدیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے مولانا محمد طاسین کی کتاب ایک خط کے ہمراہ انہیں ارسال کی گئی ..... اس موقع پر احقر نے بھی آں مخدوم کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ میرا مقصد تو محض اتنا تھا کہ ہر دو حضرات (مولانا محمد طاسین اور قاضی صاحب) احقر کے مخدوم ہیں' علمی بات علمی مذاکرہ سے حل ہو جائے' مجھے اس کا مطلق افسوس نہیں کہ انہوں نے مجھے درخور اعتناء نہیں سمجھا اور خط کا جواب تک مرحمت نہیں فرمایا' لیکن ڈاکٹر صاحب کے نام جو خط آیا اس میں بھی موصوف نے "مقصد میں اتحاد" تسلیم کرنے کے باوصف "تعبیر و طریق کار کے اختلاف کو کافی زیادہ نقصان دہ" ارشاد فرمایا اور اس کے لئے وہ چلتی سی مثال دی کہ "تمہارے والد صاحب" اور "تمہاری ماں کے خلاف" ..... مجھے اس سے متعلق کچھ عرض نہیں کرنا' عرض صرف یہ کرنا ہے کہ مقصد کے اتحاد کے باوجود اتنی برہمی کیوں؟ کیا یہ کہنا غلط ہے کہ مزارعت کے اس عمل نے انسانیت کو کتنا نقصان پہنچایا اور حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے ذہین و فطین خادم اسلام کے مبنی برحق موقف کو نظرانداز کر کے کتنی زیادتی کی گئی ..... آج خود ہمارے ملک میں ناجائز حوالوں سے چند مخصوص خاندانوں کی ملک بھر کی زرعی زمینوں پر اجارہ داری سے جو حالات پیدا ہو گئے ہیں' اس کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ زرعی زمینوں کے حرام خور مالکان آج انتظامیہ' عدلیہ' فوج' پارلیمنٹ اور پریس ہر چیز پر مسلط ہیں اور انہوں نے انسانیت کا خون چوس لیا ہے۔ یہ طبقہ انسانیت' شرافت اور مروت ہر چیز سے محروم ہے۔ خود غرضی' ہوش اور حبّ جاہ و حبّ مال کی بیماریوں نے ان کو اندھا بہرا کر دیا ہے اور یہ شرافت کی زبان تک سننا گوارا نہیں کرتے ..... آج حالت یہ ہے کہ اس دھرتی کے مقدس ایوانوں میں "زرعی ٹیکس" کی تجویز منظور نہیں ہو سکتی اور مرحوم ضیاء الحق جس کے اسلام کے لئے کارناموں کا آج ہمارا مذہبی طبقہ بہت معترف ہے' اس کی شرعی کورٹ میں اس کے دور میں ایک صاحب کی رٹ اٹھا کر پھینک دی گئی جن میں محض اس خطہ کی زمینوں کی حیثیت سے متعلق بحث مقصود تھی ..... درمیان کے محض ۲ سال چھوڑ کر لگ بھگ ۱۲ سال سے اس ملک میں پوری قوت سے اسلام اسلام کا ہنگامہ ہے۔ اس ہنگامہ کے پیش نظر ملک میں ولی اللّٰہی فکر کے علمبردار بری طرح آپس

میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ لیکن اسلام کی الف با بھی ابھی تک سامنے نہیں آئی ..... ان حالات میں علماء کے کرنے کا کام تو یہی ہے کہ وہ مسائل کو ان کے صحیح تناظر میں سامنے لائیں' لیکن اگر علماء اجتماعی طور پر ان باتوں کی توفیق نہیں پاتے تو کسی شریف انسان کی محنت اس طرح تو نظرانداز نہ کریں' جس طرح مزارعت کے مسئلہ پر ایک ٹھوس اور علمی کاوش کے خلاف کیا گیا۔

○○○○○

مولانا محمد طاسین کا وہ مضمون جو "حکمت قرآن" کی پندرہ اقساط میں سامنے آیا اب اڑھائی صد صفحات کی کتاب کی صورت میں موجود ہے۔ اس میں ابتدائی ۱۶ صفحات "پیش لفظ" کے ہیں' جن کا یہ پیرا بطور خاص قابل غور ہے:

"تعجب ہے کہ اس اعتقاد و اقرار کے باوجود کہ قرآن مجید اسلامی ہدایت کا اصل منبع و سرچشمہ ہے اور اس کے اندر زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ایسے اصول کلیہ اور مبادئ عامہ ضرور موجود ہیں جن میں اس شعبہ کے تمام جزوی مسائل کے لئے اجمالی ہدایت پائی جاتی ہے۔ کسی نے معاملۂ مزارعت کی بحث میں قرآن مجید کی طرف رجوع نہیں کیا کہ اس کے اندر اس کے متعلق کیا ہدایت پائی جاتی ہے' اس میں عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق جو اصولی ہدایت ہے اس کے مطابق معاملہ مزارعت جائز معاملات کے زمرے میں آتا ہے یا ناجائز معاملات کی فہرست میں؟ اگر ایسا کیا جاتا تو بات آگے بڑھتی اور حقیقت حال کو سمجھنے میں مدد ملتی"۔ (ص ۱۴)

یہ وہ بنیادی چیز ہے جس کی طرف بدقسمتی سے آج کے اہل علم توجہ نہیں دیتے۔ وہ سب کچھ پڑھیں گے' نہیں پڑھیں گے تو قرآن ..... اگر آج قرآن کی مظلومیت کا تماشہ دیکھنا ہو تو "قدیم مدارس" کے نصاب میں "قرآن" کا حال دیکھ لیں ..... رہ گئے جدید مدارس تو ان میں قرآن کا ہے کو پڑھا پڑھایا جائے گا؟ وہ قرآن جو "خواجہ کے لئے پیغامِ مرگ" ہے' وہ قرآن جو اقوام و ملل کی بربادی کا ذمہ دار "مترفین" کو قرار دیتا ہے' وہ قرآن جو عدل اجتماعی کا سب سے بڑھ کر علمبردار اور ظلم کا سب سے بڑا دشمن ہے' اس قرآن کی طرف کیوں توجہ دی جائے؟ ..... فاضل مصنف نے "مزارعت اور قرآن مجید"

کے حوالہ سے ۱۵ صفحات میں حد درجہ علمی گفتگو فرمائی' لیکن افسوس کہ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اس کے باوجود کہ ہم سب قرآن مجید کو ہدایت کا سرچشمہ قرار دیتے اور اسے ..... منبع علوم و عرفان سمجھتے ہیں' دستور اسلامی کا بنیادی سرچشمہ اسے مانتے ہیں' لیکن اس پر غور نہیں کرتے ..... مصنف علام نے اس حصہ میں اصولی گفتگو فرمائی ہے اور معاشی معاملات میں قرآن کی اصولی ہدایات کو بنیاد بنا کر "معاملۂ مزارعت" کو اس حوالہ سے پرکھا ہے اور بہت صحیح نتائج اخذ کئے ہیں۔ لیکن وا حسرتا کہ اسلاف کی عظمت کے گن گانے والے اسلاف کے رب ..... ساری کائنات کے خالق و مالک کی آخری کتاب ہدایت کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

موصوف نے اس سلسلہ میں البقرہ کی آیت "اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (آیت ۲۷۵) کو بنیاد بنایا ہے اور مزارعت کو اپنے طور پر نہیں' حضور سرور کائنات کے حوالہ سے "معاملہ ربٰو" میں شامل کیا ہے ..... "معاملہ ربٰو" کو ترک نہ کرنے والوں کے لئے آیت مذکورہ سے متصل آیت ۲۷۹ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی بات ارشاد فرمائی گئی اور حدیث کی معروف کتاب "المستدرک" کے حوالہ سے ٹھیک یہی بات "معاملۂ مزارعت" کے لئے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی (ص ۷۷) اور حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان واضح ارشادات کو نقل کیا جن میں "معاملۂ مزارعت" کو صریح طور پر "ربٰو" فرمایا گیا ہے۔ (ص ۷۷' ۷۸) اور مشہور مفسر حضرت الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے جو عبارت ہے اس کا ترجمہ ہے:

"سوائے اس کے نہیں کہ حرام ٹھہرائے گئے ہیں مخابرہ جو پیداوار زمین کے ایک حصہ پر مزارعت کا نام ہے اور مزابنہ جو نام ہے درخت پر لگی تازہ کھجوروں کو زمین پر پڑے خشک چھوہاروں کے عوض خریدنا اور محاقلہ جو خوشوں میں محفوظ غلہ کو جو کھڑی کھیتی میں ہو' خشک غلے کے بدلے خریدنا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے معاشی معاملات صرف اس لئے حرام ٹھہرائے گئے ہیں کہ ربٰو کا کلی طور پر خاتمہ ہو جائے" (ابن کثیر' جلد ۱' ص ۳۲۷' بحوالہ کتاب مذکور ص ۷۹)

حضرت الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ مفسر و محدث ہیں ..... اور بلاشبہ "اسلاف" ہی میں

ان کا بھی شمار ہوتا ہے' ان کی تصریحات کا کیا کیا جائے گا۔ ایسے ہی علامہ القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی "اسلاف" ہی میں شمار ہوتے ہیں۔ البقرہ کی آیت ۲۷۹ کے ضمن میں ان کی تصریحات ج ۳ ص ۳۶۷ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ آخر میں ہے:

"یہ حدیث مخابرہ کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے اور مخابرہ نام ہے زمین کو کاشت کے لئے نصف' تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لیتا دینا' اسی کا دوسرا نام مزارعت ہے' تمام مالکی علماء' امام شافعی' امام ابو حنیفہ اور ان کے کچھ متبعین اور داؤد ظاہری کا اس پر اجماع ہے کہ زمین کو پیداوار کے تہائی' چوتھائی اور کسی حصہ پر دینا جائز نہیں"۔
(کتاب مذکور ص ۸۰)

مولانا نے یہ سب کچھ آیتِ ربٰو کے ضمن میں لکھا اور آخر میں لکھا:

"اس اختلاف کو سلجھانے اور دور کرنے کا سب سے بہتر اور صحیح معیار قرآن مجید ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جو احادیث و روایات قرآن مجید کی اصولی ہدایت کے مطابق ہوں ان کو بے چون و چرا اختیار کر لیا جائے اور جو مطابق نہ ہوں ان کو معقول توجیہہ و تاویل کے ساتھ ترک کر دیا جائے"۔ (ص ۸۲)

اس قسم کا معقول' متوازن اور معتدل نقطہ نظر رکھنے والا عالم یہ کب تصور کر سکتا ہے کہ اس کی زبان و قلم سے اسلاف کی عظمت داغدار ہو۔ یقین جانیں کہ اسلاف ہم سب کا مشترکہ سرمایہ ہیں' ان کی علمی کاوشیں ہمارا عظیم سرمایہ ہے' وہ سرمایہ جس سے لمحہ بھر کے لئے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا' رہتی دنیا تک یہ سرمایہ امت کے اخلاف کے لئے مینارۂ نور ثابت ہوگا اور دنیا اس سے مستفید ہوتی رہے گی۔ تاہم یہ بات کہنا نہ غلط ہے نہ کوئی گستاخی کہ اسلاف اپنی تمام تر عظمت کے باوصف معصوم نہ تھے' ان کے نتائج فکر میں کوئی جھول رہ جائے تو بتقاضائے بشریت ایسا ممکن ہے۔ اس تصور کو منفی رنگ دینا مناسب نہیں ..... اور ہاں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ' حضرت الامام مالک رحمہ اللہ اور حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تو اسلاف ہی کا حصہ ہیں اور ان دیار کی بھاری مقلم اکثریت کے لئے حضرت الامام ابو حنیفہ کا نام و کام بہت ہی بلند ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ دورِ صحابہ کے بعد سب سے بڑے اسلامی مفکر' دانشور اور صاحب نظر عالم ہیں' اجتماعی مسائل کے حوالہ سے ان کی بالغ نظری اور ان کا آفاقی شعور ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مگر افسوس

کہ ان دیار کے حنفی حضرات نے اپنے امام کا حق ادا نہیں کیا۔ اجتماعی مسائل کے حوالہ سے حضرت الامام کی کاوشوں کا احترام کیا جاتا' انہیں پلے باندھا جاتا' انہیں رو بہ عمل لایا جاتا تو یہ دنیا آج جہنم کدہ نہ ہوتی اور بالخصوص ترکستان کے علاقے دین حق سے دوری و انحراف کی مصیبتِ عظمیٰ کا شکار نہ ہوتے ..... بہرحال جذباتی انداز اختیار کرنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے مسائل کو عالمانہ وقار سے حل کرنا ہی دین کا اصل تقاضا اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

○○○○○

"مزارعت اور قرآن مجید" کی بحث کے بعد ص ۸۳ سے ۱۵۷ تک طویل بحث میں حضرت جابر' زید بن ثابت' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابوسعید الخدری' حضرت انس بن مالک' حضرت ثابت بن الضحاک' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت مسور بن مخرمہ' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت اُسید بن ظہیر اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل المرتبت صحابہ کرام کی روایات کو الگ الگ نقل کر کے ان میں سے ہر بزرگ صحابی کی روایات پر پوری پوری فنی بحث کی گئی ہے' روایت و درایت کے مسلمہ اصولوں کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے اور اسلاف کی گرامی قدر شخصیات میں سے ائمۂ جرح و تعدیل اور شارحین حدیث کے ارشادات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے ..... ہر بزرگ صحابی کی روایات نقل کر کے ان کا ترجمہ دے کر پھر ان پر بحث ہے ..... حضرات صحابہ کرام میں سے کسی بزرگ پر اگر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے تو اس کا بڑی خوبی سے دفاع کیا گیا ہے (ص ۹۳) ... کیونکہ حضرات صحابہ کرام "معیارِ حق و صداقت" ہیں (البقرہ آیت ۱۳' ۱۳۷)۔ حضرت الامام ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول "وحی کے عینی گواہ" ہیں ..... ان کے دامن اقدس کا مجروح ہونا بہت ہی خوفناک ہے۔ اس سے نہ قرآن کی حقانیت کا دعویٰ باقی رہے گا نہ سنتِ رسولؐ کے محفوظ و مصئون ہونے کی بات کوئی سنے گا۔ اس لئے حضرت الشیخ ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کے دامن اقدس کو داغدار کرنے والوں کو "زندیق" قرار دیتے ہیں۔ مولانا محمد طاسین نے ایک مخلص عالم کی حیثیت سے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھرپور دفاع کیا ہے کہ ہر سلیم الفطرت مسلمان کا یہ لازمی فرض ہے۔

اس بحث میں بطور خاص خیبر کے معاملات پر بڑی مدلل گفتگو کی گئی ہے ..... کیونکہ "خیبر" ایک ایسا خطہ ہے جو زرعی زمینوں پر مشتمل تھا۔ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد یہود کا قلع قمع ہوا تو وہاں کی زمینوں کو یہود کی درخواست پر انہی کے پاس رہنے دیا گیا۔ بعض حضرات اسے "مزارعت" کا معاملہ قرار دیتے ہیں' لیکن بعض دوسرے اس کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا "خراج مقاسمت" کا معاملہ تھا جو اسلامی حکومت اور اس کی غیر مسلم رعایا کے درمیان طے پایا (ص۱۰۵) سچ یہ ہے کہ یہ معاملہ "خراج مقاسمت" کا ہی تھا۔ اس پر مولانا نے مفصل دلائل دیئے ہیں۔ (۱۰۵ تا ۱۰۸) ..... اور اسلاف ہی میں سے ایک نامور بزرگ حافظ ابوبکر الحازمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن صحابہ کرام کو مزارعت کا مخالف لکھا ان میں ان بزرگ صحابہ کے بھی اسمائے گرامی ہیں جن سے خیبر کی روایات مروی ہیں' یعنی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ..... جو بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتے تھے۔ یہ تو محض وقتی طور پر اس خطہ کی زمین کو محفوظ رکھنے کی کارروائی تھی جو اسلامی حکومت اور اس کی غیر مسلم رعایا کے درمیان طے پائی۔

مولانا نے مرحوم مولانا مودودی کی اس روش پر بھی بڑے دکھ کا اظہار کیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزاج میں تقویٰ و ورع کی شدّت کو معاملۂ مزارعت کی مخالفت کی بنیاد بناتے ہیں (ص ۲۰۸)۔ اس میں شک نہیں کہ تقویٰ و ورع اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن مسائل و معاملات میں توازن و اعتدال بجائے خود تقویٰ و طہارت ہے۔ زمینداروں کی خوشنودی کے لئے زرعی زمینوں کی لامحدود ملکیت اور انہیں معاملۂ مزارعت پر لینے دینے کے جواز کا نقطہ نظر رکھنے والے حضرات اس قسم کے باریک فرق کو نہیں سمجھ سکتے اور اس قسم کے نقطہ نظر کا اظہار کر کے وہ صحابہ کے معاملہ میں حد درجہ بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتے ہیں ..... اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہئے۔

اس بحث میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کی بحث (ص ۱۱۴ سے ۱۳۳) بطور خاص لائق مطالعہ ہے کہ انہی بزرگ صحابی کی روایات کے حوالہ سے غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ مولانا نے ان کے حوالہ سے ۱۷ روایات درج کی ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بحث کی ہے اور ان کے مفہوم کو اسلاف کے حوالہ سے متعین

کیا ہے۔ اس ضمن میں فنی ابحاث بڑی نادر ہیں جو لائق مطالعہ ہیں اور حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محدث کے حوالہ سے حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور ان سے اختصار و اجمال کے ساتھ اور کبھی تفصیل کے ساتھ، کبھی براہ راست اور کبھی اپنے چچاؤں کے واسطہ سے جو روایات منقول ہیں ان کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ (ص ۱۳۰) ...... نتیجہ کے طور پر مولانا کا یہ لکھنا سو فیصد صحیح ہے کہ:

> "یہ الفاظ اس پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ مخابرت و مزارعت کی ممانعت اخلاقی نوعیت کی نہیں بلکہ قانونی نوعیت کی ہے جس کی پابندی پر حکومت مسلمان رعایا کو مجبور کر سکتی ہے۔ گویا یہ معاملہ ان معاملات میں سے ہے جو ظلم و حق تلفی پر مبنی اور عدل و قسط کے منافی ہے"۔ (ص ۱۳۲)

گو کہ حدیث کی بحث میں ساتھ ساتھ مولانا نے گفتگو کر دی ہے لیکن پھر ایک الگ علمی بحث چھیڑی ہے ... ("احادیث مزارعت کے مابین تعارض کی بحث" ص ۱۳۴ تا ۱۴۶)۔ اس بحث میں مولانا کا دعویٰ یہ ہے کہ ان روایات میں کوئی حقیقی تعارض نہیں (ص ۱۳۴) ...... ہاں جن حضرات کو تعارض نظر آتا ہے ان کے لئے محدثین کرام اور اصول حدیث و اصول فقہ کے نامور ماہرین کے طے کردہ ضابطوں کی روشنی میں حل سامنے آ جاتا ہے۔ متعارض احادیث کا معاملہ کیونکر طے ہو؟ ...... شیخ سیوطی اور علامہ حازمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس پر بحث کی ہے اور جو ممکن طریق ہو سکتے ہیں ان کے حوالہ سے اس مسئلہ کو شافی طریق سے حل کیا ہے، مثلاً نسخ کا طریقہ ...... آخر اس کی واضح بنیاد خود قرآن مجید میں موجود ہے (البقرۃ: ۱۰۶) ...... ترجیح کا طریقہ، جس میں ۱۵ کے لگ بھگ اصول محدثین نے تجویز فرمائے ہیں (ص ۱۴۳ تا ۱۴۵) اس میں ایک طریقہ قولی اور فعلی احادیث کا بھی ہے کہ قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے ...... "معاملہ خیبر" کو اگر "مزارعت" کا معاملہ وقتی طور پر مان بھی لیا جائے (اس پر بحث ہو چکی ہے کہ یہ معاملہ ایسا ہے ہی نہیں) تو بھی قولی احادیث کی وجہ سے عدم جواز کی روایت کو ترجیح ہوگی (ص ۱۴۶)۔ ایک طریقہ "جمع و تطبیق" کا ہے ...... محدثین و اصولیین کے نزدیک یہ بہت اہم اصول ہے اور "متعارض معاملات" میں اس سے باقاعدہ کام لیا جاتا ہے۔ یہاں اول تو تعارض ہے

مولانا کے بقول:

"حضرت ابو جعفر کے زمانہ میں مہاجرین کی اولاد کا مزارعت پر عمل درآمد تھا تو یہ چیز شرعاً مزارعت کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ کسی معاملہ کے جواز و عدم جواز کا اصل دارومدار کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے دلائل پر ہے۔ مسلمانوں کا جو تعامل کتاب و سنت کے مطابق ہو وہ جائز و صحیح ہے اور جو مخالف ہو وہ ناجائز و غیر صحیح"۔ (ص ۱۷۵)

گویا کسی فرد یا افراد کا معاملہ (صحابہ علیہم الرضوان کے سوا) ایسا نہیں کہ اسے معیار بنایا جا سکے اور اس کے طرز عمل کو دین کا نام دیا جا سکے۔ اس غلط طرز عمل نے بہت سی "نادیدنی اشیاء" کو "دیدنی" بنا دیا ہے اور عجیب و غریب قسم کی خرافات عقائد کے عنوان سے ہم پر مسلط ہو گئی ہیں۔ اس کی بدترین شکلیں ان مجموعوں میں دیکھی جا سکتی ہیں جو عقائد کے حوالہ سے معروف مقام رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک مجموعہ تفتازانی صاحب کا ہے جن کی کتاب ہمارے درس نظامی کا جزو لاینفک ہے ..... مولانا مفتی محمود خلد آشیانی نے وفاق المدارس العربیہ کی صدارت کے دور میں اس ناچیز سے فرمایا کہ تفتازانی شیعہ نہیں تو تشیع سے بری طرح متاثر ضرور ہے ..... دلیل کے طور پر ان کی کتاب "مختصر المعانی" میں سیدنا المحدوم معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ تعالیٰ کے نام سے ایک بدترین مثال کا ذکر کیا تو "شرح العقائد" میں واقعاتِ کربلا کے حوالہ سے ان عبارات کا ذکر کیا جنہیں ہم سب ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ ذمہ دار ہیں اور بااختیار صدر ..... ان کو بدل دیں! حضرت الامام ابوحنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز جیسے فقیہ اعظم اور متکلم اسلام کا رسالہ عقائد میں ہے' اسے سامنے لائیں' لیکن "حلقہ یاراں" کی شدت پسندی نے انہیں بے بس کر رکھا تھا۔ اس رویہ کا ماتم کہاں کہاں کیا جائے؟

یہ بحث کہ جناب ابو جعفر کی اولاد تو مدنی ہے اور اہل مدینہ کے تعامل کو نظرانداز کرنا آسان نہیں ..... تو اس پر مولانا نے بحث کی (ص ۱۷۶۔ ۱۷۷) کہ ہر دور کے اہل مدینہ کا تعامل کیونکر روا ہوگا! ..... اور پھر اہل مدینہ کے تعامل کے حوالہ سے حدیث کی معروف کتاب "الموطا" موجود ہے ..... جو حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول

مولانا کے بقول:

"حضرت ابو جعفر کے زمانہ میں مہاجرین کی اولاد کا مزارعت پر عمل درآمد تھا تو یہ چیز شرعاً مزارعت کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ کسی معاملہ کے جواز و عدم جواز کا اصل دارومدار کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کے دلائل پر ہے۔ مسلمانوں کا جو تعامل کتاب و سنت کے مطابق ہو وہ جائز و صحیح ہے اور جو مخالف ہو وہ ناجائز و غیر صحیح"۔ (ص ۱۷۵)

گویا کسی فرد یا افراد کا معاملہ (صحابہ علیہم الرضوان کے سوا) ایسا نہیں کہ اسے معیار بنایا جا سکے اور اس کے طرز عمل کو دین کا نام دیا جا سکے۔ اس غلط طرز عمل نے بہت سی "نادیدنی اشیاء" کو "دیدنی" بنا دیا ہے اور عجیب و غریب قسم کی خرافات عقائد کے عنوان سے ہم پر مسلط ہو گئی ہیں۔ اس کی بدترین شکلیں ان مجموعوں میں دیکھی جا سکتی ہیں جو عقائد کے حوالہ سے معروف مقام رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک مجموعہ تفتازانی صاحب کا ہے جن کی کتاب ہمارے درس نظامی کا جزو لاینفک ہے ..... مولانا مفتی محمود خلد آشیانی نے وفاق المدارس العربیہ کی صدارت کے دور میں اس ناچیز سے فرمایا کہ تفتازانی شیعہ نہیں تو تشیع سے بری طرح متاثر ضرور ہے ..... دلیل کے طور پر ان کی کتاب "مختصر المعانی" میں سیدنا المحدوم معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ تعالیٰ کے نام سے ایک بدترین مثال کا ذکر کیا تو "شرح العقائد" میں واقعاتِ کربلا کے حوالہ سے ان عبارات کا ذکر کیا جنہیں ہم سب ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ ذمہ دار ہیں اور بااختیار صدر ..... ان کو بدل دیں! حضرت الامام ابوحنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز جیسے فقیہ اعظم اور متکلم اسلام کا رسالہ عقائد میں ہے' اسے سامنے لائیں' لیکن "حلقہ یاراں" کی شدت پسندی نے انہیں بے بس کر رکھا تھا۔ اس رویہ کا ماتم کہاں کہاں کیا جائے؟

یہ بحث کہ جناب ابو جعفر کی اولاد تو مدنی ہے اور اہل مدینہ کے تعامل کو نظرانداز کرنا آسان نہیں ..... تو اس پر مولانا نے بحث کی (ص ۱۷۶۔ ۱۷۷) کہ ہر دور کے اہل مدینہ کا تعامل کیونکر روا ہوگا! ..... اور پھر اہل مدینہ کے تعامل کے حوالہ سے حدیث کی معروف کتاب "الموطا" موجود ہے ..... جو حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول

لوگ بہت کم ظرف ہوتے ہیں جو حقیقت کو نہ سمجھ کر ہنگامہ کر دیتے ہیں' جیسے چند سال قبل لاہور میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کی معرکۃ الآراء کتاب "تاریخ تصوف" پر بعض نادانوں نے اس لئے ہنگامہ کیا کہ اس کتاب میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "کشف المحجوب" کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں مندرج احادیث اکثر فنی اعتبار سے صحیح نہیں کہ آں مخدوم کا یہ فن تھا ہی نہیں" ..... جاہلوں کے ہنگامہ سے نالائق حکومت نے کتاب ضبط کر لی' جسے ہم نے کورٹ میں چیلنج کر دیا اور کتاب بحال ہوئی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مولانا انور شاہ نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حدیثی و فقہی مقام میں فرق کیا ہے تو ایک حقیقت ہے' اس پر چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہیں ..... ایسے ہی مولانا محمد طاسین جیسے اصحاب علم' علمی کاوش سے کوئی بات کہتے ہیں تو انہیں اسلاف کا دشمن گردانا انصاف نہیں ..... ہاں مزہ اس میں ہے کہ مولانا نے جس محنت سے کتاب لکھی اور جس قدر مطالعہ کر کے یہ گلدستہ تیار کیا' اس طرح کوئی پتہ مار کر ان کے نتائج فکر کو جھٹلائے۔ اس حصہ میں صحابہ و تابعین کے وہ آثار بھی بڑی کثرت سے نقل ہیں جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں (ص ۲۱۰ تا ۲۱۳) ..... ان حضرات میں بڑی نامور اور اہم شخصیتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کی جلالتِ علمی کا اپنا ایک مقام ہے۔

○○○○○

اب مولانا اس موڑ پر آتے ہیں جہاں حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے مزارعت پر گفتگو ہے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں واضح کیا ہے کہ ان بزرگوں کے موقف کے لئے ان کی فقہ سے متعلق بنیادی کتابیں سامنے ہونا لازم ہیں کہ صدیوں بعد کی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے مؤلفین اپنے امام کے موقف سے ہٹ گئے اور بعض نے اپنے امام کے موقف کی غلط ترجمانی بھی کی جس کا بڑا سبب ان کے زمانوں کے مخصوص معاشی' معاشرتی اور سیاسی حالات تھے۔ (ص ۲۱۵)

اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے آج کے اہل علم مادر پدر آزاد یورپین جمہوریت پر فریفتہ ہو کر اس کے لئے دلائل فراہم کرتے ہیں۔ بہرحال یہ بحث ص ۲۱۴ سے ۲۳۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کی

لوگ بہت کم ظرف ہوتے ہیں جو حقیقت کو نہ سمجھ کر ہنگامہ کر دیتے ہیں' جیسے چند سال قبل لاہور میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کی معرکۃ الآراء کتاب "تاریخ تصوف" پر بعض نادانوں نے اس لئے ہنگامہ کیا کہ اس کتاب میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "کشف المحجوب" کے متعلق لکھا ہے کہ "اس میں مندرج احادیث اکثر فنی اعتبار سے صحیح نہیں کہ آں مخدوم کا یہ فن تھا ہی نہیں" ..... جاہلوں کے ہنگامہ سے نالائق حکومت نے کتاب ضبط کر لی' جسے ہم نے کورٹ میں چیلنج کر دیا اور کتاب بحال ہوئی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مولانا انور شاہ نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حدیثی و فقہی مقام میں فرق کیا ہے تو ایک حقیقت ہے' اس پر چیں بجبیں ہونے کی ضرورت نہیں ..... ایسے ہی مولانا محمد طاسین جیسے اصحاب علم' علمی کاوش سے کوئی بات کہتے ہیں تو انہیں اسلاف کا دشمن گردانا انصاف نہیں ..... ہاں مزہ اس میں ہے کہ مولانا نے جس محنت سے کتاب لکھی اور جس قدر مطالعہ کر کے یہ گلدستہ تیار کیا' اس طرح کوئی پتہ مار کر ان کے نتائج فکر کو جھٹلائے۔ اس حصہ میں صحابہ و تابعین کے وہ آثار بھی بڑی کثرت سے نقل ہیں جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں (ص ۲۱۰ تا ۲۱۳) ..... ان حضرات میں بڑی نامور اور اہم شخصیتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کی جلالتِ علمی کا اپنا ایک مقام ہے۔

○○○○○

اب مولانا اس موڑ پر آتے ہیں جہاں حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے مزارعت پر گفتگو ہے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں واضح کیا ہے کہ ان بزرگوں کے موقف کے لئے ان کی فقہ سے متعلق بنیادی کتابیں سامنے ہونا لازم ہیں کہ صدیوں بعد کی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے مؤلفین اپنے امام کے موقف سے ہٹ گئے اور بعض نے اپنے امام کے موقف کی غلط ترجمانی بھی کی جس کا بڑا سبب ان کے زمانوں کے مخصوص معاشی' معاشرتی اور سیاسی حالات تھے۔ (ص ۲۱۵)

اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے آج کے اہل علم مادر پدر آزاد یورپین جمہوریت پر فریفتہ ہو کر اس کے لئے دلائل فراہم کرتے ہیں۔ بہرحال یہ بحث ص ۲۱۴ سے ۲۳۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کی

نہیں' وہ اسے اسلاف پر طعنہ زنی قرار دیتے ہیں۔ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ان اصدقاء امت کے دامن ہماری وجہ سے مجروح ہوں' لیکن قاضی صاحب نے ایک یمنی عالم کے حوالہ سے (ص ۴۴ مضمون الخیر) شیخ ابن قیم کی جو بات علامہ ابن تیمیہ کے متعلق لکھی ..... وہی ہم اس طرح عرض کریں ..... "کہ بخدا' اسلاف کا ہر فرد ہمارے لئے قابل احترام ہے' لیکن دینی حقائق اور امت رسول کی بہتری کا معاملہ سب سے بڑھ کر ہے"..... تو غلط نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے بعد امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بہت واضح ہے۔ امام کے ساتھ ان کے تلامذہ اور تمام مالکی علماء و فقہا اس معاملہ میں یک زبان ہیں ..... حتیٰ کہ بعض مالکی علماء اس معاملہ سے حاصل ہونے والے غلہ وغیرہ کا کھانا اور اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیتے ہیں (ص ۲۲۷) حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مزارعت کے معاملہ کو بالکلیہ باطل قرار دیتے ہیں ... البتہ محض چند ایک شافعی علماء جو محدث زیادہ تھے اور ان میں شانِ تفقہ کم تھی' وہ بعض احناف کی طرح اس کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت الامام خود اور ان کے چوٹی کے رفقاء و متبعین اور ان کے مسلک کی بنیادی کتابیں اس معاملہ میں بالکل واضح ہیں (ص ۲۳۰) ..... البتہ حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اس شرط پر جواز مزارعت کے قائل ہیں کہ بیج بھی زمین کے مالک کی طرف سے ہو ..... تاہم مولانا کا ماتم یہ ہے کہ:

> "امام ابو حنیفہ کی تقلید کے دعویٰ اور حنفی کہلانے کے باوجود' حنفیوں نے مزارعت کے معاملہ میں اپنے امام کے موقف و مسلک کو بری طرح نظرانداز کیا اور باوجود کمزور دلائل کے صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد الشیبانی کے موقف و مسلک کو اختیار کیا اور اس پر عمل پیرا رہے اور ہیں"۔ (ص ۲۳۲)

تو کیا مولانا کا یہ ماتم غلط ہے؟ کیا واقعہ یہی نہیں کہ ہم نے اس رویہ سے ظلم کے ایک نظام کو استحکام بخشا' خدا کی زمین کے وہ قطعات جو انسانیت کے لئے ہریالی کا سبب بنتے ہیں' ان پر چند ظالموں کی اجارہ داری کا سامان کیا اور اس سے لاتعداد مسائل سامنے آئے ..... حتیٰ کہ انسانیت کا بڑا طبقہ مذہب سے برگشتہ ہوگیا۔

مولانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر عدالت میں جایا جائے اور وہ بتلائے کہ موقف کون

نہیں' وہ اسے اسلاف پر طعنہ زنی قرار دیتے ہیں۔ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ان اصدقاء امت کے دامن ہماری وجہ سے مجروح ہوں' لیکن قاضی صاحب نے ایک یمنی عالم کے حوالہ سے (ص ۴۴ مضمون الخیر) شیخ ابن قیم کی جو بات علامہ ابن تیمیہ کے متعلق لکھی ..... وہی ہم اس طرح عرض کریں ..... "کہ بخدا' اسلاف کا ہر فرد ہمارے لئے قابل احترام ہے' لیکن دینی حقائق اور امت رسول کی بہتری کا معاملہ سب سے بڑھ کر ہے"..... تو غلط نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے بعد امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بہت واضح ہے۔ امام کے ساتھ ان کے تلامذہ اور تمام مالکی علماء و فقہا اس معاملہ میں یک زبان ہیں ..... حتیٰ کہ بعض مالکی علماء اس معاملہ سے حاصل ہونے والے غلہ وغیرہ کا کھانا اور اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیتے ہیں (ص ۲۲۷) حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مزارعت کے معاملہ کو بالکلیہ باطل قرار دیتے ہیں ... البتہ محض چند ایک شافعی علماء جو محدث زیادہ تھے اور ان میں شانِ تفقہ کم تھی' وہ بعض احناف کی طرح اس کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت الامام خود اور ان کے چوٹی کے رفقاء و متبعین اور ان کے مسلک کی بنیادی کتابیں اس معاملہ میں بالکل واضح ہیں (ص ۲۳۰) ..... البتہ حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اس شرط پر جواز مزارعت کے قائل ہیں کہ بیج بھی زمین کے مالک کی طرف سے ہو ..... تاہم مولانا کا ماتم یہ ہے کہ:

> "امام ابو حنیفہ کی تقلید کے دعویٰ اور حنفی کہلانے کے باوجود' حنفیوں نے مزارعت کے معاملہ میں اپنے امام کے موقف و مسلک کو بری طرح نظرانداز کیا اور باوجود کمزور دلائل کے صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد الشیبانی کے موقف و مسلک کو اختیار کیا اور اس پر عمل پیرا رہے اور ہیں"۔ (ص ۲۳۲)

تو کیا مولانا کا یہ ماتم غلط ہے؟ کیا واقعہ یہی نہیں کہ ہم نے اس رویہ سے ظلم کے ایک نظام کو استحکام بخشا' خدا کی زمین کے وہ قطعات جو انسانیت کے لئے ہریالی کا سبب بنتے ہیں' ان پر چند ظالموں کی اجارہ داری کا سامان کیا اور اس سے لاتعداد مسائل سامنے آئے ..... حتیٰ کہ انسانیت کا بڑا طبقہ مذہب سے برگشتہ ہوگیا۔

مولانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر عدالت میں جایا جائے اور وہ بتلائے کہ موقف کون

یہ غضب ناک ہونے والی بات نہیں بلکہ گہرائی کے ساتھ سوچنے والی بات ہے اور ہماری صدیوں کی تاریخ اس کی المناک مثال ہے ..... خود ہمارے یہاں کسی زمانہ میں جمعیت علماء اسلام جیسی جماعت اپنے منشور میں اس جاگیرداری سسٹم کے خلاف انقلابی رائے کا اظہار کرتی ہے جس کا حصہ مخدومی قاضی صاحب بھی تھے' تو مفاد پرست طبقہ آگے بڑھ کر کئی علماء کو ہی ڈھال بنا کر ان سے فتوائے کفر حاصل کر لیتا ہے' جس میں بھاشانی' بھٹو' مجیب اور ولی خان کے علاوہ جمعیت کے اکابر کو بھی لپیٹ لیا جاتا ہے۔ وہ علما. جنہوں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے فتویٰ کا کاروبار اپنایا اور اب تک اپنائے ہوئے ہیں ان کو کیا نام دیا جائے گا؟ اس لئے ۲۵۰ صفحہ کی ایک علمی کتاب میں اس طرح کی دو ایک سطروں کی تلخی قبول کرنا ہی پڑے گی کہ یہ معاملہ دین کا ہے' امت کے ایمان کو بچانے کا ہے اور ہدایت سے محروم انسانیت کو دین کی دعوت کا ہے ..... اور پھر واقعہ وہی ہے جو مولانا نے لکھا کہ:

"عہدِ صحابہ کے بعد مسلمانوں کا تعامل بذات خود نہ کسی بات کے جواز کی دلیل ہے نہ عدم جواز کی" ..... (ص ۲۴۵)

صحابہ کا تعامل البتہ سر آنکھوں پر اور اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ ہر صحابی پوری قوت سے اس مسئلہ کے عدم جواز کی بات کر رہا ہے۔

○○○○○

کتاب کے شروع کے حصے جس میں نظام زمینداری کے مفہوم پر گفتگو ہے' اس کی بنیادوں کا ذکر ہے اور اسلام میں تصور ملکیت اور پھر شخصی ملکیت پر قلم اٹھایا گیا ہے' ان کا احقر نے قصداً ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ ابحاث بہت ہی قیمتی ہیں اور اس قابل کہ ان کے ایک ایک لفظ کو حرز جاں بنایا جائے۔ گو کہ اس تصور کے حوالہ سے بھی ربوہ کے اربابِ دانش کا ایک خاص موقف ہے تو بدقسمتی سے ایک طویل عرصہ اربابِ پٹھانکوٹ بھی اسی ڈگر پر چلتے رہے اور اس حوالہ سے ہر دو طبقات کی کتابیں ایک دوسرے کا عکس نظر آتی ہیں ..... مولانا نے ان تمہیدی ابحاث میں نہ کسی کو نشانہ بنایا نہ کسی پر طنز کی بلکہ اصولی اور ٹھوس گفتگو کی ہے' تاکہ حقائق الم نشرح ہو سکیں۔ آخر میں قریبی دور کے ایک مظلوم مصلح کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں تاکہ روایات کی ماری ہوئی مخلوق اپنے رویہ پر نظرثانی کر سکے:

یہ غضب ناک ہونے والی بات نہیں بلکہ گہرائی کے ساتھ سوچنے والی بات ہے اور ہماری صدیوں کی تاریخ اس کی المناک مثال ہے ..... خود ہمارے یہاں کسی زمانہ میں جمعیت علماء اسلام جیسی جماعت اپنے منشور میں اس جاگیرداری سسٹم کے خلاف انقلابی رائے کا اظہار کرتی ہے جس کا حصہ مخدومی قاضی صاحب بھی تھے' تو مفاد پرست طبقہ آگے بڑھ کر کئی علماء کو ہی ڈھال بنا کر ان سے فتوائے کفر حاصل کر لیتا ہے' جس میں بھاشانی' بھٹو' مجیب اور ولی خان کے علاوہ جمعیت کے اکابر کو بھی لپیٹ لیا جاتا ہے۔ وہ علما. جنہوں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے فتویٰ کا کاروبار اپنایا اور اب تک اپنائے ہوئے ہیں ان کو کیا نام دیا جائے گا؟ اس لئے ۲۵۰ صفحہ کی ایک علمی کتاب میں اس طرح کی دو ایک سطروں کی تلخی قبول کرنا ہی پڑے گی کہ یہ معاملہ دین کا ہے' امت کے ایمان کو بچانے کا ہے اور ہدایت سے محروم انسانیت کو دین کی دعوت کا ہے ..... اور پھر واقعہ وہی ہے جو مولانا نے لکھا کہ:

"عہدِ صحابہ کے بعد مسلمانوں کا تعامل بذات خود نہ کسی بات کے جواز کی دلیل ہے نہ عدم جواز کی" ..... (ص ۲۴۵)

صحابہ کا تعامل البتہ سر آنکھوں پر اور اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ ہر صحابی پوری قوت سے اس مسئلہ کے عدم جواز کی بات کر رہا ہے۔

○○○○○

کتاب کے شروع کے حصے جس میں نظام زمینداری کے مفہوم پر گفتگو ہے' اس کی بنیادوں کا ذکر ہے اور اسلام میں تصور ملکیت اور پھر شخصی ملکیت پر قلم اٹھایا گیا ہے' ان کا احقر نے قصداً ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ ابحاث بہت ہی قیمتی ہیں اور اس قابل کہ ان کے ایک ایک لفظ کو حرز جاں بنایا جائے۔ گو کہ اس تصور کے حوالہ سے بھی ربوہ کے اربابِ دانش کا ایک خاص موقف ہے تو بدقسمتی سے ایک طویل عرصہ اربابِ پٹھانکوٹ بھی اسی ڈگر پر چلتے رہے اور اس حوالہ سے ہر دو طبقات کی کتابیں ایک دوسرے کا عکس نظر آتی ہیں ..... مولانا نے ان تمہیدی ابحاث میں نہ کسی کو نشانہ بنایا نہ کسی پر طنز کی بلکہ اصولی اور ٹھوس گفتگو کی ہے' تاکہ حقائق الم نشرح ہو سکیں۔ آخر میں قریبی دور کے ایک مظلوم مصلح کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں تاکہ روایات کی ماری ہوئی مخلوق اپنے رویہ پر نظرثانی کر سکے:

اسلامی معیشت میں
سادگی اور کفایت شعاری کی اہمیت (۲)

از قلم: ڈاکٹر امین اللہ وثیر

اعتدال اور میانہ روی

"وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔" (الفرقان)

(جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہوتا ہے)

"وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۹)

(اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے)

"وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ"۔ (القصص: ۷۷)

(جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اسکے ذریعہ سے آخرت کے گھر کی بہتری کے لیے کوشش کر و اور اپنا دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کر اور اچھا سلوک کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا۔ اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش نہ کر)

معلوم ہوا کہ انسان کا نہ تو یہ حال ہونا چاہیے کہ عیاشی اور یار باشی میلوں ٹھیلوں اور شادی

اسلامی معیشت میں
سادگی اور کفایت شعاری کی اہمیت (۲)

از قلم: ڈاکٹر امین اللہ وثیر

اعتدال اور میانہ روی

"وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔" (الفرقان)

(جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہوتا ہے)

"وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۹)

(اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے)

"وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ"۔ (القصص: ۷۷)

(جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اسکے ذریعہ سے آخرت کے گھر کی بہتری کے لیے کوشش کر و اور اپنا دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کر اور اچھا سلوک کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا۔ اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش نہ کر)

معلوم ہوا کہ انسان کا نہ تو یہ حال ہونا چاہیے کہ عیاشی اور یار باشی میلوں ٹھیلوں اور شادی

۱ ۔ ناجائز کاموں میں دولت صرف کرنا خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔
۲ ۔ جائز کاموں میں خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر جانا خواہ اس لحاظ سے کہ آدمی استطاعت سے زیادہ خرچ کرے یا اس لحاظ سے کہ آدمی کو جو دولت اس کی ضرورت سے بہت زیادہ مل گئی ہو اسے وہ اپنے ہی عیش اور ٹھاٹ باٹھ میں صرف کرتا چلا جائے۔
۳ ۔ نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ کے لیے نہیں ریا اور نمائش کے لیے۔

اس کے برعکس بخل کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پر اپنی مقدرت اور حیثیت کے مطابق خرچ نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔

ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ اسلام کی راہ ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

"مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ قَصْدُهُ فِيْ مَعِيْشَتِهٖ" (اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے دانا ہونے کی علامتوں میں سے ہے) (احمد و طبرانی)

اسلام نے اس باب میں صرف اخلاقی تعلیم ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس سے بخل اور فضول خرچی کی انتہائی صورتوں کو روکنے کے لیے قوانین بھی بناتے ہیں اور ایسے تمام طریقوں کا سدِ باب کرنے کی کوشش کی ہے جو تقسیم ثروت کے توازن کو بگاڑنے والے ہیں۔ مثلاً وہ جوئے کو حرام قرار دیتا ہے، شراب اور بدکاری سے روکتا ہے لہو لعب کی ایسی مسرفانہ عادتوں کو جن کا لازمی نتیجہ ضیاع وقت اور ضیاع مال ہے، ممنوع قرار دیتا ہے۔ موسیقی کے فطری ذوق کو اس حد تک پہنچنے سے باز رکھتا ہے جہاں انسان کا انہماک دوسری اخلاقی و روحانی خرابیاں پیدا کرنے کے ساتھ معاشی زندگی میں بھی بدنظمی پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے اور فی الواقع ہو جاتا ہے جمالیات کے طبعی رجحان کو بھی وہ حدود کا پابند بناتا ہے۔ قیمتی ملبوسات، زر و جواہر کے زیورات سونے چاندی کے ظروف اور تصاویر اور مجسموں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام مروی ہیں ان سب میں دوسرے مصالح کے ساتھ ایک بڑی مصلحت یہ بھی پیش نظر ہے کہ جو دولت تمہارے بہت غریب بھائیوں کی ناگزیر ضرورتیں پوری کر سکتی ہے ان کو زندگی کے لیے احتیاج فراہم کر کے دے سکتی ہے، اسے محض اپنے

۱ ۔ ناجائز کاموں میں دولت صرف کرنا خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔
۲ ۔ جائز کاموں میں خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر جانا خواہ اس لحاظ سے کہ آدمی استطاعت سے زیادہ خرچ کرے یا اس لحاظ سے کہ آدمی کو جو دولت اس کی ضرورت سے بہت زیادہ مل گئی ہو اسے وہ اپنے ہی عیش اور ٹھاٹ باٹھ میں صرف کرتا چلا جائے۔
۳ ۔ نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ کے لیے نہیں ریا اور نمائش کے لیے۔

اس کے برعکس بخل کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پر اپنی مقدرت اور حیثیت کے مطابق خرچ نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔

ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ اسلام کی راہ ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

"مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ قَصْدُهُ فِيْ مَعِيْشَتِهٖ" (اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے دانا ہونے کی علامتوں میں سے ہے) (احمد و طبرانی)

اسلام نے اس باب میں صرف اخلاقی تعلیم ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس سے بخل اور فضول خرچی کی انتہائی صورتوں کو روکنے کے لیے قوانین بھی بناتے ہیں اور ایسے تمام طریقوں کا سدِ باب کرنے کی کوشش کی ہے جو تقسیم ثروت کے توازن کو بگاڑنے والے ہیں۔ مثلاً وہ جوئے کو حرام قرار دیتا ہے، شراب اور بدکاری سے روکتا ہے لہو لعب کی ایسی مسرفانہ عادتوں کو جن کا لازمی نتیجہ ضیاع وقت اور ضیاع مال ہے، ممنوع قرار دیتا ہے۔ موسیقی کے فطری ذوق کو اس حد تک پہنچنے سے باز رکھتا ہے جہاں انسان کا انہماک دوسری اخلاقی و روحانی خرابیاں پیدا کرنے کے ساتھ معاشی زندگی میں بھی بدنظمی پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے اور فی الواقع ہو جاتا ہے جمالیات کے طبعی رجحان کو بھی وہ حدود کا پابند بناتا ہے۔ قیمتی ملبوسات، زر و جواہر کے زیورات سونے چاندی کے ظروف اور تصاویر اور مجسموں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام مروی ہیں ان سب میں دوسرے مصالح کے ساتھ ایک بڑی مصلحت یہ بھی پیش نظر ہے کہ جو دولت تمہارے بہت غریب بھائیوں کی ناگزیر ضرورتیں پوری کر سکتی ہے ان کو زندگی کے لیے احتیاج فراہم کر کے دے سکتی ہے، اسے محض اپنے

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور عام طرز زندگی میں اعتدال کو مدنظر رکھے اور ان تمام امور میں بے جا تکلف سے بچتا رہے۔ سادگی کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آدمی بخل اور تنگی کے ساتھ زندگی گذارے بلکہ یہ بخل اور فضول خرچی دونوں سے بچ کر زندگی کے ہر شعبہ میں میانہ روی اختیار کرنے کا نام ہے، جب انسان فضول خرچی اور کنجوسی کو ترک کرتا اور ایک معتدل زندگی کو اپناتا ہے تو اس کا طرز معاشرت سادہ مگر دل پسند ہوتا ہے۔ وہ اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرتا اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلاتا ہے۔

قرآن مجید میں حیات انسانی اور اس کے انجام کی بڑی دلنشین تصویر کھینچی گئی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ"

(لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کے چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے)

اسلام ایسا دین اعتدال ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں معقول اور دستور کے مطابق طرز عمل کی دعوت دیتا ہے۔ مصنوعی لب و لہجے تک کی مذمت کرتا ہے، تکبر اور بناوٹ کو انسانی کردار کی خوبی تسلیم نہیں کرتا۔ ایک حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی۔

"متکبر کبھ بنانے والے ہلاک ہوئے" (مشکوۃ کتاب آداب)

اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام کے تمام ارکان میں سادگی ہے۔ کلمہ شہادت ہر انسان خلوص دل سے پڑھ سکتا ہے۔ نماز کے واسطے ساری زمین سجدہ گاہ ہے۔ روزہ کم خوری اور سادگی کا عملی سبق ہے۔ حج کا لباس انتہائی سادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آقائے دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوہ حسنہ یعنی بہترین نمونہ عطا

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور عام طرز زندگی میں اعتدال کو مدنظر رکھے اور ان تمام امور میں بے جا تکلف سے بچتا رہے۔ سادگی کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آدمی بخل اور تنگی کے ساتھ زندگی گذارے بلکہ یہ بخل اور فضول خرچی دونوں سے بچ کر زندگی کے ہر شعبہ میں میانہ روی اختیار کرنے کا نام ہے، جب انسان فضول خرچی اور کنجوسی کو ترک کرتا اور ایک معتدل زندگی کو اپناتا ہے تو اس کا طرز معاشرت سادہ مگر دل پسند ہوتا ہے۔ وہ اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرتا اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلاتا ہے۔

قرآن مجید میں حیات انسانی اور اس کے انجام کی بڑی دلنشین تصویر کھینچی گئی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ"

(لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کے چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے)

اسلام ایسا دین اعتدال ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں معقول اور دستور کے مطابق طرز عمل کی دعوت دیتا ہے۔ مصنوعی لب و لہجے تک کی مذمت کرتا ہے، تکبر اور بناوٹ کو انسانی کردار کی خوبی تسلیم نہیں کرتا۔ ایک حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی۔

"متکبر کبھ بنانے والے ہلاک ہوئے" (مشکوۃ کتاب آداب)

اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام کے تمام ارکان میں سادگی ہے۔ کلمہ شہادت ہر انسان خلوص دل سے پڑھ سکتا ہے۔ نماز کے واسطے ساری زمین سجدہ گاہ ہے۔ روزہ کم خوری اور سادگی کا عملی سبق ہے۔ حج کا لباس انتہائی سادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آقائے دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوہ حسنہ یعنی بہترین نمونہ عطا

تھی جو کچھ وقت پر سامنے آجاتا اسی پر اکتفا فرماتے، آپ نے کبھی کھانے کی کسی چیز کو برا نہیں کہا۔ ہمیشہ نیچے بیٹھ کر دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے۔ کھاتے وقت کبھی تکیہ یا کسی اور چیز کا سہارا نہیں لیا۔ آپ کی گفتگو میں شوکت الفاظ اور رفعت معانی کے باوجود سادگی غالب ہوتی تھی، الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے تھے کہ سننے والا آسانی سے یاد کرلیتا، الفاظ ضرورت سے زیادہ ہوتے نہ کم۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو سادگی کی شان لیے ہوئے اور افراط و تفریط سے پاک تھا۔

- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا۔ (سنن نسائی)
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)
- حضرت قتادہؓ سے پوچھا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے تو انھوں نے کہا دسترخوان پر (صحیح بخاری) یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں ایک سادگی اور شان بندگی ہوتی تھی اور اس سلسلے میں خصوصی اہتمام یا کوئی تکلف وغیرہ بالکل نہ ہوتا تھا۔
- حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہ تواضع و خاکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلاکر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے زیب تن کرے (جامع ترمذی)

یہ بشارت ان بندوں کے لیے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دے رکھی ہو کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس استعمال کرسکتے ہیں لیکن وہ اس پاکیزہ جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر ان کا تفوق اور بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید اس سے کسی غریب نادار کی دل شکنی ہو۔

(جاری ہے)

تھی جو کچھ وقت پر سامنے آجاتا اسی پر اکتفا فرماتے، آپ نے کبھی کھانے کی کسی چیز کو برا نہیں کہا۔ ہمیشہ نیچے بیٹھ کر دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے۔ کھاتے وقت کبھی تکیہ یا کسی اور چیز کا سہارا نہیں لیا۔ آپ کی گفتگو میں شوکت الفاظ اور رفعت معانی کے باوجود سادگی غالب ہوتی تھی، الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے تھے کہ سننے والا آسانی سے یاد کرلیتا، الفاظ ضرورت سے زیادہ ہوتے نہ کم۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو سادگی کی شان لیے ہوئے اور افراط و تفریط سے پاک تھا۔

- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا۔ (سنن نسائی)
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)
- حضرت قتادہؓ سے پوچھا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے تو انھوں نے کہا دسترخوان پر (صحیح بخاری) یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں ایک سادگی اور شان بندگی ہوتی تھی اور اس سلسلے میں خصوصی اہتمام یا کوئی تکلف وغیرہ بالکل نہ ہوتا تھا۔
- حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہ تواضع و خاکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلاکر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے زیب تن کرے (جامع ترمذی)

یہ بشارت ان بندوں کے لیے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دے رکھی ہو کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس استعمال کرسکتے ہیں لیکن وہ اس پاکیزہ جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر ان کا تفوق اور بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید اس سے کسی غریب نادار کی دل شکنی ہو۔

(جاری ہے)

مولانا محمد تقی امینی ۵ر مئی ۱۹۲۶ء مطابق ۲۲ر شوال ۱۳۴۴ھ کو ضلع بارہ بنکی کے ایک گاؤں صبیحہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی جو تجوید و حفظ اور عربی و فارسی کی ضروری واقفیت پر مشتمل تھی۔ پھر جامع العلوم کانپور میں تحصیلِ علم کیا اور آخر میں مدرسہ امینیہ دہلی میں داخل ہوئے جہاں مولانا مفتی کفایت اللہ وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء سے رسمی تعلیم کی تکمیل کی۔ مولانا اپنے نام کے ساتھ امینی لکھتے تھے۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ امینی کی نسبت قاسمی اور ندوی کی طرح اس ادارہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں سے آپ نے سندِ فراغت حاصل کی مگر مولانا اس نسبت کو "امانت" سے جوڑتے تھے جو دین کی اساس ہے۔

فراغت کے بعد مولانا نے مدرسہ سبحانیہ دہلی' جامع العلوم کانپور' مدرسہ فرقانیہ اور مدرسہ ثانویہ ناگپور' دارالعلوم معینیہ اجمیر اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ابتدا میں مولانا نے وعظ و تقریر اور مناظرہ کو بھی اپنا میدان بنایا۔ کانپور اور اپنے وطن میں متعدد مناظرے کئے۔ بدعات و خرافات اور منکرات کے خلاف لسانی جہاد کیا جس کے نتیجے میں بہت سے وہ لوگ ان کے مخالف اور درپے آزار ہوگئے جو منکرات و بدعات کو اپنے مفادات اور جذبات کا وسیلہ بنا چکے تھے۔ بعد میں مولانا خود اس طریقِ تبلیغ سے دست بردار ہوگئے کیونکہ ان کو اس سے کسی مثبت تبدیلی کی توقع نہ رہی۔ مولانا اکثر و بیشتر اپنے علاقے کے چودھری محمد شفیع کا تذکرہ کرتے جو اس فضا میں مولانا کے ہم نوا' قدر داں اور پشت پناہ تھے۔ اجمیر کے دوران قیام میں اگرچہ وہ مناظرہ چھوڑ چکے تھے مگر ان کی حق گو طبیعت کو وہاں بھی آزار پہنچے۔ ایسے ہی مخالف ماحول میں ایک مرتبہ اپنے حالات مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کو لکھے تو مفتی صاحب نے جواباً لکھا "یہ ضروری ہے کہ آدمی جب بھی کہے حق بات کہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت کہتا رہے"۔

مولانا ممدوح مفتی صاحب کا یہ فقرہ اکثر دہرایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں جبکہ ہندوستان کی فضا مسلمانوں کے لئے کچھ زیادہ سازگار نہ تھی' مولانا نے ناگپور کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں انہوں نے امامت' تدریس اور تصنیف کی سہ گونہ مصروفیات کا حصار اپنے گرد قائم کر لیا۔ مسجد کا وہ حجرہ آج بھی موجود ہے جہاں مولانا محترم نے اپنی پہلی باقاعدہ تصنیف

مولانا محمد تقی امینی ۵ر مئی ۱۹۲۶ء مطابق ۲۲ر شوال ۱۳۴۴ھ کو ضلع بارہ بنکی کے ایک گاؤں صبیحہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی جو تجوید و حفظ اور عربی و فارسی کی ضروری واقفیت پر مشتمل تھی۔ پھر جامع العلوم کانپور میں تحصیلِ علم کیا اور آخر میں مدرسہ امینیہ دہلی میں داخل ہوئے جہاں مولانا مفتی کفایت اللہ وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء سے رسمی تعلیم کی تکمیل کی۔ مولانا اپنے نام کے ساتھ امینی لکھتے تھے۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ امینی کی نسبت قاسمی اور ندوی کی طرح اس ادارہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں سے آپ نے سندِ فراغت حاصل کی مگر مولانا اس نسبت کو "امانت" سے جوڑتے تھے جو دین کی اساس ہے۔

فراغت کے بعد مولانا نے مدرسہ سبحانیہ دہلی' جامع العلوم کانپور' مدرسہ فرقانیہ اور مدرسہ ثانویہ ناگپور' دارالعلوم معینیہ اجمیر اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ابتدا میں مولانا نے وعظ و تقریر اور مناظرہ کو بھی اپنا میدان بنایا۔ کانپور اور اپنے وطن میں متعدد مناظرے کئے۔ بدعات و خرافات اور منکرات کے خلاف لسانی جہاد کیا جس کے نتیجے میں بہت سے وہ لوگ ان کے مخالف اور درپے آزار ہوگئے جو منکرات و بدعات کو اپنے مفادات اور جذبات کا وسیلہ بنا چکے تھے۔ بعد میں مولانا خود اس طریقِ تبلیغ سے دست بردار ہوگئے کیونکہ ان کو اس سے کسی مثبت تبدیلی کی توقع نہ رہی۔ مولانا اکثر و بیشتر اپنے علاقے کے چودھری محمد شفیع کا تذکرہ کرتے جو اس فضا میں مولانا کے ہم نوا' قدر داں اور پشت پناہ تھے۔ اجمیر کے دوران قیام میں اگرچہ وہ مناظرہ چھوڑ چکے تھے مگر ان کی حق گو طبیعت کو وہاں بھی آزار پہنچے۔ ایسے ہی مخالف ماحول میں ایک مرتبہ اپنے حالات مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کو لکھے تو مفتی صاحب نے جواباً لکھا "یہ ضروری ہے کہ آدمی جب بھی کہے حق بات کہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت کہتا رہے"۔

مولانا ممدوح مفتی صاحب کا یہ فقرہ اکثر دہرایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں جبکہ ہندوستان کی فضا مسلمانوں کے لئے کچھ زیادہ سازگار نہ تھی' مولانا نے ناگپور کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں انہوں نے امامت' تدریس اور تصنیف کی سہ گونہ مصروفیات کا حصار اپنے گرد قائم کر لیا۔ مسجد کا وہ حجرہ آج بھی موجود ہے جہاں مولانا محترم نے اپنی پہلی باقاعدہ تصنیف

کے خطبات کا ایک مجموعہ مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا کی دوسری کتابیں اس طرح ہیں:

۱۔ اسلام کا زرعی نظام

۲۔ حدیث کا درایتی معیار

۳۔ فقہ کا تاریخی پس منظر

۴۔ اجتہاد کا تاریخی پس منظر

۵۔ مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر (یہ دونوں کتابیں یکجا پاکستان سے شائع ہوئی ہیں) ان میں سے ایک کتاب کا انگریزی ترجمہ Fundamentals of Ijtehad کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت۔ اس کا بھی انگریزی ترجمہ پروفیسر غلام محمد صاحب سابق ڈین فیکلٹی آف قانون اے ایم یو نے Time changes in Islamic Sharia کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ادارہ ادبیات دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۷۔ لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ The Era of Atheism کے نام سے شائع ہوا ہے اور عربی ترجمہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے عصر الالحاد کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۸۔ تہذیب کی تشکیل جدید۔ اس کتاب کا بھی انگریزی ترجمہ Reconstruction of Culture کے نام سے اور عربی ترجمہ الاسلام تشکیل جدید للحضارۃ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔ اس کا عربی ترجمہ النظام الالٰہی للرقی والانحطاط کے نام سے ڈاکٹر ازہری نے کیا ہے۔

۱۰۔ الاسس الفکریہ الایمانیہ (عربی) یہ کتاب ہم آہنگ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعض حصوں کا ترجمہ راقم نے کیا تھا۔

۱۱۔ بین الانسان الحقیقی والانسان الصناعی۔ عربی کی مذکورہ ساری کتابیں دار الصحوۃ للنشر القاہرہ سے طبع ہوئی ہیں۔

کے خطبات کا ایک مجموعہ مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا کی دوسری کتابیں اس طرح ہیں:

۱۔ اسلام کا زرعی نظام

۲۔ حدیث کا درایتی معیار

۳۔ فقہ کا تاریخی پس منظر

۴۔ اجتہاد کا تاریخی پس منظر

۵۔ مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر (یہ دونوں کتابیں یکجا پاکستان سے شائع ہوئی ہیں) ان میں سے ایک کتاب کا انگریزی ترجمہ Fundamentals of Ijtehad کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت۔ اس کا بھی انگریزی ترجمہ پروفیسر غلام محمد صاحب سابق ڈین فیکلٹی آف قانون اے ایم یو نے Time changes in Islamic Sharia کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ادارہ ادبیات دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۷۔ لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ The Era of Atheism کے نام سے شائع ہوا ہے اور عربی ترجمہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے عصر الالحاد کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۸۔ تہذیب کی تشکیل جدید۔ اس کتاب کا بھی انگریزی ترجمہ Reconstruction of Culture کے نام سے اور عربی ترجمہ الاسلام تشکیل جدید للحضارۃ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔ اس کا عربی ترجمہ النظام الالٰہی للرقی والانحطاط کے نام سے ڈاکٹر ازہری نے کیا ہے۔

۱۰۔ الاسس الفکریہ الایمانیہ (عربی) یہ کتاب ہم آہنگ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعض حصوں کا ترجمہ راقم نے کیا تھا۔

۱۱۔ بین الانسان الحقیقی والانسان الصناعی۔ عربی کی مذکورہ ساری کتابیں دار الصحوۃ للنشر القاہرہ سے طبع ہوئی ہیں۔

ہندوستان کے بیشتر علماء نے ان کی تائید کی۔ اس طرح کے بعض مسائل تہذیب کی تشکیلِ جدید میں اور احکامِ شرعیہ میں موجود ہیں۔ مولانا اپنے قدیم علمی ورثہ سے بھی وابستہ اور جدید فکری رجحانات سے بھی باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر ان رجحانات کا جمعہ کے خطبات اور احتساب کے صفحات میں محاسبہ بھی کرتے تھے۔ ان کی کتابوں اور مضامین میں یہ پہلو بھی خاصا ممتاز نظر آتا ہے۔ میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے اس تجزیہ سے اتفاق کرتا ہوں کہ "وہ نہ تو مقلد قلم کار ہیں اور نہ ایسے مفکر ہیں جو عقل سے زیادہ جذبات سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ ایسے مسلمان مفکر ہیں جو ان فکری اسلحوں سے لیس ہیں جن کی عصرِ حاضر میں اسلام کے دفاع کے لئے ضرورت ہے"۔

مولانا اپنی ہر بات کا حوالہ ماضی سے ڈھونڈ کر لاتے تھے اور کہتے تھے: میں اپنی بات گزشتہ علمأ کی زبان سے کہتا ہوں' اسی لئے کوئی میری مخالفت نہیں کرتا۔ بعض لوگوں کو ان کے مسلسل اقتباسات اور حوالوں سے تکدّر ہوتا اور اس کا اظہار بھی ہوتا مگر مولانا اس راہ کی نزاکتوں سے واقف تھے۔ اس لئے اس اندازِ تصنیف میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔

مولانا اپنی تحریریں چھپنے سے پہلے دوسروں کو سنایا کرتے۔ اکثر راقم کو بھی سناتے اور کہتے تبصرہ کرو اور میرا حال یہ ہوتا "گویم مشکل نہ گویم ہم مشکل"۔ کبھی کہتے میری کتابیں کون پڑھتا ہے۔ میں تو اپنی دماغی خارش مٹانے کے لئے لکھتا ہوں۔ آخری عمر میں پروفیسر رفیع الدین ناگپوری نے کہا: مولانا لکھنا بھی بند کر دیجئے۔ یہ بھی حجاب ہے اب ہم لوگوں کا بلاوا آنے والا ہے۔ مولانا بولے: میں نہیں چھوڑ سکتا' یہی میری عبادت ہے' یہی میرا ذکر ہے اور یہی سب کچھ ہے۔ مولانا اکثر یہ فرماتے: دنیا میں حسن کی کمی نہیں آن کی کمی ہے۔ مولانا کے علم و اخلاق سے فیض یاب ہونے والے جانتے ہیں کہ ان کو اللہ نے حسن بھی دیا تھا اور آن بھی۔ مولانا کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دوسروں کا اعتراف اور اکرام دونوں کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بات اچھی لگتی اسے اپنا لیتے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک مرتبہ مشہور ہندی مترجم قرآن محمد فاروق خاں صاحب ان سے ملنے آئے۔ مولانا نے پوچھا نجات آسان ہے یا مشکل۔ خاں صاحب نے کہا اللہ کے ساتھ اگر راست بازی اختیار کی جائے تو نجات آسان ہے اور اگر اللہ کے ساتھ چالاکی کی جائے تو نجات مشکل

ہندوستان کے بیشتر علماء نے ان کی تائید کی۔ اس طرح کے بعض مسائل تہذیب کی تشکیلِ جدید میں اور احکامِ شرعیہ میں موجود ہیں۔ مولانا اپنے قدیم علمی ورثہ سے بھی وابستہ اور جدید فکری رجحانات سے بھی باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر ان رجحانات کا جمعہ کے خطبات اور احتساب کے صفحات میں محاسبہ بھی کرتے تھے۔ ان کی کتابوں اور مضامین میں یہ پہلو بھی خاصا ممتاز نظر آتا ہے۔ میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے اس تجزیہ سے اتفاق کرتا ہوں کہ "وہ نہ تو مقلد قلم کار ہیں اور نہ ایسے مفکر ہیں جو عقل سے زیادہ جذبات سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ ایسے مسلمان مفکر ہیں جو ان فکری اسلحوں سے لیس ہیں جن کی عصرِ حاضر میں اسلام کے دفاع کے لئے ضرورت ہے"۔

مولانا اپنی ہر بات کا حوالہ ماضی سے ڈھونڈ کر لاتے تھے اور کہتے تھے: میں اپنی بات گزشتہ علمأ کی زبان سے کہتا ہوں' اسی لئے کوئی میری مخالفت نہیں کرتا۔ بعض لوگوں کو ان کے مسلسل اقتباسات اور حوالوں سے تکدّر ہوتا اور اس کا اظہار بھی ہوتا مگر مولانا اس راہ کی نزاکتوں سے واقف تھے۔ اس لئے اس اندازِ تصنیف میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔

مولانا اپنی تحریریں چھپنے سے پہلے دوسروں کو سنایا کرتے۔ اکثر راقم کو بھی سناتے اور کہتے تبصرہ کرو اور میرا حال یہ ہوتا "گویم مشکل نہ گویم ہم مشکل"۔ کبھی کہتے میری کتابیں کون پڑھتا ہے۔ میں تو اپنی دماغی خارش مٹانے کے لئے لکھتا ہوں۔ آخری عمر میں پروفیسر رفیع الدین ناگپوری نے کہا: مولانا لکھنا بھی بند کر دیجئے۔ یہ بھی حجاب ہے اب ہم لوگوں کا بلاوا آنے والا ہے۔ مولانا بولے: میں نہیں چھوڑ سکتا' یہی میری عبادت ہے' یہی میرا ذکر ہے اور یہی سب کچھ ہے۔ مولانا اکثر یہ فرماتے: دنیا میں حسن کی کمی نہیں آن کی کمی ہے۔ مولانا کے علم و اخلاق سے فیض یاب ہونے والے جانتے ہیں کہ ان کو اللہ نے حسن بھی دیا تھا اور آن بھی۔ مولانا کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دوسروں کا اعتراف اور اکرام دونوں کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بات اچھی لگتی اسے اپنا لیتے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک مرتبہ مشہور ہندی مترجم قرآن محمد فاروق خاں صاحب ان سے ملنے آئے۔ مولانا نے پوچھا نجات آسان ہے یا مشکل۔ خاں صاحب نے کہا اللہ کے ساتھ اگر راست بازی اختیار کی جائے تو نجات آسان ہے اور اگر اللہ کے ساتھ چالاکی کی جائے تو نجات مشکل

تنخواہ سے ادا ہوئے۔ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے میرے سامنے کہا' مولانا! ایک عورت برقعہ پہن کر آتی ہے' آپ اسے پیسے دے دیتے ہیں' وہی برقعہ اتار کر پھر مانگنے آتی ہے' آپ منع نہیں کرتے۔ مولانا نے مخلوقِ خدا کی ضرورت کا حوالہ دے کر ٹال دیا اور اس اصول پر مرتے دم تک قائم رہے کہ سخی کی کمائی میں سب کا حصہ ہے۔

ہمارے مولانا مرنجاں مرنج اور ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے بھی دوست تھے۔ ان کا شیوہ فیض کی زبانی یہ تھا۔

غمِ جہاں ہو رخِ یار ہو کہ دستِ عدو سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

بعض لوگوں نے مولانا پر رکیک حملے کئے اور سنگین الزامات لگائے' مگر مولانا صبر و تحمل اور عفو و درگزر کی تصویر بنے رہے البتہ ایسے لوگوں سے محتاط رہتے۔ انہوں نے بچوں کی سی معصوم طبیعت پائی تھی۔ جلد ناراض بھی ہوتے اور جلد ہی مان بھی جاتے۔ کسی کو ڈانٹ دیتے پھر محسوس کرتے تو خود ہی معافی مانگتے اور اس کی تلافی کرتے۔ فیکلٹی کے ایک چپراسی سے ناراض ہوئے تو ڈانٹ لگائی۔ دوسرے دن بلا کر معافی مانگ لی۔ ہاں صاحبو! میرے مولانا نے ڈین ہو کر اپنے چپراسی سے معافی مانگی اور جیب سے کچھ روپے نکال کر دیئے اور کہا جاؤ چائے پی لینا۔

مولانا کسی کا دل دُکھانا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور ہر کسی کی دلجوئی کرنا اپنا وطیرہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اور بصیر بھائی (استاد سُنّی دینیات) رات گئے تک مولانا سے استفادہ کرتے رہے۔ بات مصر کے سابق حکمراں جمال عبدالناصر اور اخوان المسلمون پر چل نکلی۔ مولانا کہہ گئے کہ اخوان نے جمال کی حکومت چھیننا چاہی تو جمال نے اخوان کو مٹانا چاہا۔ معاملہ برابر کا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا' مولانا! تو پھر حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی حکومت چھیننا چاہی اور فرعون نے ان کے قتل کی سازش کی۔ یہ معاملہ بھی برابر کا رہا۔ اس پر مولانا بہت ناراض ہوئے اور بصیر بھائی سے کہا' اس کی دیدہ دلیری دیکھتے ہو' یہ کیسی بات کر رہا ہے۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر مولانا سیدھے میرے کمرے میں آئے اور پھر فرمایا "بھئی رات میری بات سے تمہیں تکلیف ہوئی معاف کرنا"۔ ادھر میرا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں' پیروں تلے سے زمین نکل چکی تھی' فرشتہ صفت عالمِ دین سامنے کھڑا تھا۔ ایسے دور میں جبکہ اپنی باتوں پر اصرار اور ہر بات پر اپنی انا

تنخواہ سے ادا ہوئے۔ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے میرے سامنے کہا' مولانا! ایک عورت برقعہ پہن کر آتی ہے' آپ اسے پیسے دے دیتے ہیں' وہی برقعہ اتار کر پھر مانگنے آتی ہے' آپ منع نہیں کرتے۔ مولانا نے مخلوقِ خدا کی ضرورت کا حوالہ دے کر ٹال دیا اور اس اصول پر مرتے دم تک قائم رہے کہ سخی کی کمائی میں سب کا حصہ ہے۔

ہمارے مولانا مرنجاں مرنج اور ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے بھی دوست تھے۔ ان کا شیوہ فیض کی زبانی یہ تھا۔

غمِ جہاں ہو رخِ یار ہو کہ دستِ عدو سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

بعض لوگوں نے مولانا پر رکیک حملے کئے اور سنگین الزامات لگائے' مگر مولانا صبر و تحمل اور عفو و درگزر کی تصویر بنے رہے البتہ ایسے لوگوں سے محتاط رہتے۔ انہوں نے بچوں کی سی معصوم طبیعت پائی تھی۔ جلد ناراض بھی ہوتے اور جلد ہی مان بھی جاتے۔ کسی کو ڈانٹ دیتے پھر محسوس کرتے تو خود ہی معافی مانگتے اور اس کی تلافی کرتے۔ فیکلٹی کے ایک چپراسی سے ناراض ہوئے تو ڈانٹ لگائی۔ دوسرے دن بلا کر معافی مانگ لی۔ ہاں صاحبو! میرے مولانا نے ڈین ہو کر اپنے چپراسی سے معافی مانگی اور جیب سے کچھ روپے نکال کر دیئے اور کہا جاؤ چائے پی لینا۔

مولانا کسی کا دل دُکھانا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور ہر کسی کی دلجوئی کرنا اپنا وطیرہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اور بصیر بھائی (استاد سُنّی دینیات) رات گئے تک مولانا سے استفادہ کرتے رہے۔ بات مصر کے سابق حکمراں جمال عبدالناصر اور اخوان المسلمون پر چل نکلی۔ مولانا کہہ گئے کہ اخوان نے جمال کی حکومت چھیننا چاہی تو جمال نے اخوان کو مٹانا چاہا۔ معاملہ برابر کا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا' مولانا! تو پھر حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی حکومت چھیننا چاہی اور فرعون نے ان کے قتل کی سازش کی۔ یہ معاملہ بھی برابر کا رہا۔ اس پر مولانا بہت ناراض ہوئے اور بصیر بھائی سے کہا' اس کی دیدہ دلیری دیکھتے ہو' یہ کیسی بات کر رہا ہے۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر مولانا سیدھے میرے کمرے میں آئے اور پھر فرمایا "بھئی رات میری بات سے تمہیں تکلیف ہوئی معاف کرنا"۔ ادھر میرا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں' پیروں تلے سے زمین نکل چکی تھی' فرشتہ صفت عالمِ دین سامنے کھڑا تھا۔ ایسے دور میں جبکہ اپنی باتوں پر اصرار اور ہر بات پر اپنی انا

عرب نژاد شیخ وارد جامعہ ہوئے۔ وائس چانسلر صاحب نے جمعہ کی نماز میں قالین بچھانے اور صف اوّل میں مہمان کے لئے جگہ رکھنے کے لئے اطلاع بھجوائی۔ مولانا نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ اس جگہ امیرو غریب سب برابر ہیں۔

اس کے باوجود مولانا نقطۂ نظر کی سختی اور مفاد پرستی دونوں سے الگ ہو کر حقیقت پسندی کے قائل تھے۔ وہ اگر کہیں اپنے موقف پر اٹل رہتے تو اپنی بات کو واپس لینا بھی جانتے تھے۔ مولانا کی ذات دلگداز بھی تھی اور دلنواز بھی۔ کھلی کتاب کی طرح ہر کسی سے بے لوث طریقے پر ملتے۔ وہ مذہبی شخصیات اور جماعتوں سے الگ تھلگ رہ کر بھی ان سے دلی لگاؤ رکھتے اور ان کے اچھے پہلوؤں اور کارناموں کا ذکر کرتے۔ وہ چند جملے اکثر دہراتے "میاں جیسا آدمی ویسا اس کا مذہب"۔ "ساری جماعتیں ٹھیک ہیں، کسی نے حق پر ہونے کا اللہ سے پٹہ لکھا لیا ہے"۔ مولانا مسلک و جماعت کی تمیز و تفریق کے کبھی قائل نہیں تھے۔ ان کا شیوہ اقبال کی زبان میں یہ تھا۔

تمیزِ رنگ و بُو مارا حرام است   کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

طبیہ کالج کے پرنسپل صاحب سے ایک مرتبہ کسی ضرورت مند کی ملازمت کی سفارش کی۔ پرنسپل صاحب نے کہا وہ تو بریلوی ہے اور آپ سفارش کر رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا "وہ کچھ بھی ہو مسلمان ہے، اس کی مدد ہونی چاہئے"۔ کوئی عالم خواہ کسی مسلک کا ہو اگر علی گڑھ آتا تو مولانا کی خواہش ہوتی کہ وہ ان کا مہمان ہوتا۔ وہ اگر مولانا سے ملنے آتا تو بہتر ورنہ مولانا ان سے ملنے کا اہتمام کرتے اور ان کی سہولتوں کا خیال رکھتے۔ اپنے ملنے والوں کی خبر گیری بھی کرتے رہے۔

مولانا کی طبیعت میں نرمی اور بذلہ سنجی تھی، شرافت مع ظرافت تھی۔ وہ سلیکشن کمیٹی میں بیٹھتے تو بہت کم سوال کرتے اور کہتے، مجھے امیدواروں سے بڑی ہمدردی ہوتی ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ اسی صلاحیت کے ساتھ میں اِس کرسی پر ہوں اور وہ اُس جگہ۔ فرق کتنا ہے، یہ تو حالات ہیں جن کے سبب سے بیچارا مجھے انٹرویو دے رہا ہے۔ مولانا اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کو اکثر چھیڑ کر سوالات کرتے۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کو شوخ بناتے اور ان کی شوخی کو پورا کرتے۔ قربانی کا ایک موقع تھا، مولانا چک والی نئی شیروانی پہنے تشریف لائے۔ محلّہ کے بچوں نے کہا مولانا مٹھائی (علی گڑھ کی یہ

عرب نژاد شیخ واردِ جامعہ ہوئے۔ وائس چانسلر صاحب نے جمعہ کی نماز میں قالین بچھانے اور صف اوّل میں مہمان کے لئے جگہ رکھنے کے لئے اطلاع بھجوائی۔ مولانا نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ اس جگہ امیرو غریب سب برابر ہیں۔

اس کے باوجود مولانا نقطۂ نظر کی سختی اور مفاد پرستی دونوں سے الگ ہو کر حقیقت پسندی کے قائل تھے۔ وہ اگر کہیں اپنے موقف پر اٹل رہتے تو اپنی بات کو واپس لینا بھی جانتے تھے۔ مولانا کی ذات دلگداز بھی تھی اور دلنواز بھی۔ کھلی کتاب کی طرح ہر کسی سے بے لوث طریقے پر ملتے۔ وہ مذہبی شخصیات اور جماعتوں سے الگ تھلگ رہ کر بھی ان سے دلی لگاؤ رکھتے اور ان کے اچھے پہلوؤں اور کارناموں کا ذکر کرتے۔ وہ چند جملے اکثر دہراتے "میاں جیسا آدمی ویسا اس کا مذہب"۔ "ساری جماعتیں ٹھیک ہیں، کسی نے حق پر ہونے کا اللہ سے پٹہ لکھا لیا ہے"۔ مولانا مسلک و جماعت کی تمیزو تفریق کے کبھی قائل نہیں تھے۔ ان کا شیوہ اقبال کی زبان میں یہ تھا۔

تمیزِ رنگ و بُو مارا حرام است　　که ما پروردۂ یک نو بہاریم

طبیّہ کالج کے پرنسپل صاحب سے ایک مرتبہ کسی ضرورت مند کی ملازمت کی سفارش کی۔ پرنسپل صاحب نے کہا وہ تو بریلوی ہے اور آپ سفارش کر رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا "وہ کچھ بھی ہو مسلمان ہے، اس کی مدد ہونی چاہئے"۔ کوئی عالم خواہ کسی مسلک کا ہو اگر علی گڑھ آتا تو مولانا کی خواہش ہوتی کہ وہ ان کا مہمان ہوتا۔ وہ اگر مولانا سے ملنے آتا تو بہتر ورنہ مولانا ان سے ملنے کا اہتمام کرتے اور ان کی سہولتوں کا خیال رکھتے۔ اپنے ملنے والوں کی خبر گیری بھی کرتے رہے۔

مولانا کی طبیعت میں نرمی اور بذلہ سنجی تھی، شرافت مع ظرافت تھی۔ وہ سلیکشن کمیٹی میں بیٹھتے تو بہت کم سوال کرتے اور کہتے، مجھے امیدواروں سے بڑی ہمدردی ہوتی ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ اسی صلاحیت کے ساتھ میں اِس کرسی پر ہوں اور وہ اُس جگہ۔ فرق کتنا ہے، یہ تو حالات ہیں جن کے سبب سے بیچارا مجھے انٹرویو دے رہا ہے۔ مولانا اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کو اکثر چھیڑ کر سوالات کرتے۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کو شوخ بناتے اور ان کی شوخی کو پورا کرتے۔ قربانی کا ایک موقع تھا، مولانا چک والی نئی شیروانی پہنے تشریف لائے۔ محلّہ کے بچوں نے کہا مولانا مٹھائی (علی گڑھ کی یہ

لغات و اعراب قرآن (۲۳)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۱۸)

آیات ۲۳، ۲۴

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اگر ان کو مندرجہ بالا طریقِ قطعہ بندی برائے حوالہ میں از روئے استعمال کوئی دقت یا خرابی نظر آتی ہے تو وہ ہمیں اس کے لیے کوئی متبادل طریقِ حوالہ تجویز فرمائیں۔ جس میں کتاب کے مذکورہ بالا مباحثِ اربعہ کو بھی ملحوظ رکھا جا سکے۔

لغات واعراب قرآن (۲۳)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۱۸)

آیات ۲۳ - ۲۴

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ الاعراب الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اگر ان کو مندرجہ بالا طریقِ قطعہ بندی برائے حوالہ میں از روئے استعمال کوئی دقت یا خرابی نظر آتی ہے تو وہ ہمیں اس کے لیے کوئی متبادل طریقِ حوالہ تجویز فرمائیں۔ جس میں کتاب کے مذکورہ بالا مباحثِ اربعہ کو بھی ملحوظ رکھا جا سکے۔

سے کیا جاتا ہے جیسے " اِنِ الکافِرُون اِلاَّ فی غرور" (نہیں ہیں کافر مگر دھوکے میں) بامحاورہ ترجمہ کے لیے ایسی صورت میں اس کا ترجمہ "صرف" یا "محض" کے ساتھ مثبت جملے کی صورت میں بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً (کافر محض دھوکے میں ہیں)

③ اِنْ مخففہ : یہ دراصل "اِنَّ" ہی ہوتا ہے اس کا ترجمہ بھی وہی "بے شک" یا "یقیناً" ہی کیا جاتا ہے البتہ اس کا حرف مشبہ بالفعل والا عمل (اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینا) عموماً ختم ہو جاتا ہے ۔ اس کی خبر پہ "لام" (لَ) لگتا ہے جو دراصل "اِنَّ" کے اسم یا خبر پہ آنے والا "لام مزحلقہ" ہی ہوتا ہے مگر "اِنْ" مخففہ کی صورت میں نحوی اسے "لام فارقہ" کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے ہی "اِنْ" مخففہ کو اِنْ شرطیہ یا اِنْ نافیہ سے الگ پہچانا جاتا ہے ۔

④ کبھی اِنْ شرطیہ کو لائے نافیہ کے ساتھ ملا کر لکھ دیتے ہیں یعنی "اِنْ لا" کو "اِلاَّ" کی طرح لکھتے ہیں ۔ اس وقت اس کی "اِلاَّ استثنائیہ" سے تمیز ضروری ہے ۔ اور اس کا ترجمہ "اگر نہ" سے کیا جاتا ہے ۔ "اِنْ لا" کی یہ صورت (اِلاَّ) قرآن کریم میں متعدد جگہ ہمارے سامنے آئے گی ۔

⑤ کبھی "اِنْ زائدہ" ہوتا ہے اور یہ عموماً "ما" (نافیہ ، موصولہ اور مصدریہ) یا "أَلاَ (استفتاحیہ)" کے بعد آتا ہے ۔ اس کا کوئی الگ ترجمہ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس سے معنوں میں تاکید اور زور کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس قسم کے "اِنْ" (زائدہ) کا قرآن میں غالباً استعمال نہیں آیا البتہ عربی اشعار میں یہ آتا ہے ۔ اس لیے نحو کی کتابوں میں اس کی مثالیں بھی اشعار سے ہی دی جاتی ہیں ۔

● "اِنْ" کی مندرجہ بالا مختلف صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ "اِنْ" کا اردو ترجمہ حسبِ موقع "اگر" ، "نہیں" اور "بے شک" سے کیا جا سکتا ہے ۔

[**کُنْتُمْ**] کا مادہ "ک و ن" اور وزن اصلی "فَعَلْتُمْ" ہے ۔ اس کی اصلی شکل تو "کَوَنْتُمْ" تھی ـــ عرب لوگ بولتے وقت اجوف (واوی یا یائی) کے ماضی کے ایسے (لام کلمہ ساکن ہونے والے) تمام صیغوں میں "واو"

سے کیا جاتا ہے جیسے " اِنِ الکافِرُونَ اِلاَّ فی غرورٍ " (نہیں ہیں کافر مگر دھوکے میں) بامحاورہ ترجمہ کے لیے ایسی صورت میں اس کا ترجمہ " صرف " یا " محض " کے ساتھ مثبت جملے کی صورت میں بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً (کافر محض دھوکے میں ہیں)

③ اِنْ مخففہ : یہ دراصل " اِنَّ " ہی ہوتا ہے اس کا ترجمہ بھی وہی " بے شک " یا " یقیناً " ہی کیا جاتا ہے البتہ اس کا حرف مشبہ بالفعل والا عمل (اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینا) عموماً ختم ہو جاتا ہے ۔ اس کی خبر پر " لام " (لَ) لگتا ہے جو دراصل " اِنَّ " کے اسم یا خبر پر آنے والا " لام مزحلقہ " ہی ہوتا ہے مگر " اِنْ " مخففہ کی صورت میں نحوی اسے " لام فارقہ " کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے ہی " اِنْ " مخففہ کو اِنْ شرطیہ یا اِنْ نافیہ سے الگ پہچانا جاتا ہے ۔

④ کبھی اِنْ شرطیہ کو لائے نافیہ کے ساتھ ملا کر لکھ دیتے ہیں یعنی " اِنْ لا " کو " اِلاَّ " کی طرح لکھتے ہیں ۔ اس وقت اس کی " اِلاَّ استثنائیہ " سے تمیز ضروری ہے ۔ اور اس کا ترجمہ " اگر نہ " سے کیا جاتا ہے " اِنْ لا " کی یہ صورت (اِلاَّ) قرآن کریم میں متعدد جگہ ہمارے سامنے آئے گی ۔

⑤ کبھی " اِنْ زائدہ " ہوتا ہے اور یہ عموماً " ما " (نافیہ ، موصولہ اور مصدریہ) یا " اَلاَ (استفتاحیہ) " کے بعد آتا ہے ۔ اس کا کوئی الگ ترجمہ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس سے معنوں میں تاکید اور زور کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس قسم کے " اِنْ " (زائدہ) کا قرآن میں غالباً استعمال نہیں آیا البتہ عربی اشعار میں یہ آتا ہے ۔ اس لیے نحو کی کتابوں میں اس کی مثالیں بھی اشعار سے ہی دی جاتی ہیں ۔

● " اِنْ " کی مندرجہ بالا مختلف صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ " اِنْ " کا اردو ترجمہ حسبِ موقع " اگر " ، " نہیں " اور " بے شک " سے کیا جا سکتا ہے ۔

[**كُنْتُمْ**] کا مادہ " ک و ن " اور وزن اصلی " فَعَلْتُمْ " ہے ۔ اس کی اصلی شکل تو " كَوَنْتُمْ " تھی ۔ عرب لوگ بولتے وقت اجوف (واوی یا یائی) کے ماضی کے ایسے (لام کلمہ ساکن ہونے والے) تمام صیغوں میں " واو "

"مِمَّا" اور اس (زیر مطالعہ) "مِثْلِهَا" کے معنوں میں فرق کو ذہن میں رکھیے۔

۲ : ۱۷ : ۱ (۲) [نَزَّلْنَا] کا مادہ "ن ز ل" اور وزن "فَعَّلْنَا" ہے۔
یعنی اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل ماضی صیغہ جمع متکلم ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد ـــ نَزَلَ یَنْزِلُ نزولاً ـــ کے معنی وغیرہ پر البقرہ : ۴ یعنی ۲ : ۳ : ۱ (۲) میں بات ہو چکی ہے۔ اس مادہ (نزل) سے باب تفعیل کے فعل "نَزَّلَ...... یُنَزِّلُ تنزیلاً" کے معنی "...... کو اتارنا، ...... کو نازل کرنا" ہیں یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ اس کا مفعول (یعنی جو چیز اتاری جائے) مذکور نہیں ہوتا۔ البتہ دوسرا مفعول (جس کی طرف کوئی چیز اتاری جائے) اگر مذکور ہو تو وہ "علی" یا "الی" کے صلہ کے ساتھ مذکور ہوتا ہے۔

بعض اصحاب لغت[1] کے نزدیک "تنزیل" (مصدر تفعیل) میں "بتدریج اور کئی بار، یکے بعد دیگرے" اتارنے کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ "اِنْزَال" (مصدر اِفْعَال) اس سے زیادہ عام ہے یعنی اس میں کسی بھی طریقے پر اتارنا مراد ہو سکتا ہے۔ تدریجی ہو یا غیر تدریجی۔ ایک ہی بار ہو یا کئی بار۔

۲ : ۱۷ : ۱ (۳) [عَلٰى عَبْدِنَا] "عَلٰى" کے معنی و استعمال پر اس سے پہلے الفاتحہ : ۷ یعنی ۱ : ۶ : ۱ (۳) میں بات ہو چکی ہے۔ جو یہاں "پر" یا "کے اوپر" کے معنی میں آیا ہے۔

● "عبدنا" میں آخری "نا" تو ضمیر مجرور متصل بمعنیٰ "ہمارا" ہے اور "عَبْدٌ" (جو یہاں مجرور بھی ہے اور مضاف بھی۔ اور اس لیے بصورت "عَبْدِ" آیا ہے) کا مادہ "ع ب د" اور وزن "فَعْلٌ" ہے ـــ اس اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد ـ عَبَدَ یعبُد عبادۃً ـــ کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ : ۵ یعنی ۱ : ۴ : ۱ (۲) میں بات ہو چکی ہے۔

---

[1] مثلاً راغب ـ دیکھئے مفردات

"مِمَّا" اور اس (زیرِ مطالعہ) "مِمَّا" کے معنوں میں فرق کو ذہن میں رکھیے۔

۲:۱۷:۱(۲) [نَزَّلْنَا] کا مادہ "ن ز ل" اور وزن "فَعَّلْنَا" ہے۔ یعنی اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل ماضی صیغہ جمع متکلم ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد — نَزَل ینزِل نزولاً — کے معنی وغیرہ پر البقرہ: ۴ یعنی ۲:۳:۱(۲) میں بات ہو چکی ہے۔ اس مادہ (نزل) سے باب تفعیل کے فعل "نَزَّل...... یُنَزِّلُ تنزیلاً" کے معنی "...... کو اتارنا، ...... کو نازل کرنا" ہیں یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ اس کا مفعول (یعنی جو چیز اتاری جائے) مذکور نہیں ہوتا۔ البتہ دوسرا مفعول (جس کی طرف کوئی چیز اتاری جائے) اگر مذکور ہو تو وہ "علی" یا "الی" کے صلہ کے ساتھ مذکور ہوتا ہے۔

بعض اصحاب لغت[۱] کے نزدیک "تنزیل" (مصدر تفعیل) میں "بتدریج اور کئی بار، یکے بعد دیگرے" اتارنے کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ "اِنْزَال" (مصدر اِفعال) اس سے زیادہ عام ہے یعنی اس میں کسی بھی طریقے پر اتارنا مراد ہو سکتا ہے۔ تدریجی ہو یا غیر تدریجی۔ ایک ہی بار ہو یا کئی بار۔

۲:۱۷:۱(۳) [عَلٰی عَبْدِنَا] "عَلٰی" کے معنی و استعمال پر اس سے پہلے الفاتحہ: ۷ یعنی ۱:۶:۱(۳) میں بات ہو چکی ہے۔ جو یہاں "پر" یا "کے اوپر" کے معنی میں آیا ہے۔

● "عبدنا" میں آخری "نا" تو ضمیر مجرور متصل بمعنیٰ "ہمارا" ہے اور "عَبْدٌ" (جو یہاں مجرور بھی ہے اور مضاف بھی۔ اور اس لیے بصورت "عَبْدِ" آیا ہے) کا مادہ "ع ب د" اور وزن "فَعْلٌ" ہے — اس اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد — عَبَدَ یعبُد عبادۃً — کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ: ۵ یعنی ۱:۴:۱(۲) میں بات ہو چکی ہے۔

---

[۱] مثلاً راغب۔ دیکھئے مفردات

"فَأْتُوْا بِ...." بھی دراصل تین کلمات یعنی "فَ + اِئْتُوا + بِ" کا مرکب ہے ۔ اس کی ابتدائی فاء (فَ) تو حرف عطف بمعنیٰ "پس" یا "تو پھر" ہے ۔ اور آخری باء (بِ) فعل کا صلہ ہے جو اس کے معنی متعین کرتا ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوگا ۔

● فعل "اِئْتُوْا" کا مادہ "أ ت ی" اور وزن اصلی "اِفْعِلُوْا" ہے ۔ یعنی یہ فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے ۔ اس کی اصلی شکل "اِئْتِيُوْا" تھی ۔ جس میں واو الجمع سے ماقبل والی یاء (ی) جو لام کلمہ ہے ساقط کر دی جاتی ہے ۔ اور اس سے ماقبل کے عین کلمہ کو (جو یہاں "ت" ہے) مکسور (تِ) ہونے کی بنا پر ضمہ (ـُـ) دے دیا جاتا ہے ۔ (اگر عین کلمہ مفتوح یا مضموم ہو تو وہ ضمہ (ـُـ) یا فتحہ (ـَـ) برقرار رہتا ہے) ــــ اور شروع کا "اِءْ" یا "اِئْـ" مہموز کے قاعدۂ تخفیف کی بناء پر اب "اِیْ" میں بدل جاتا ہے (دو ہمزوں کے جمع ہونے کی بنا پر جن میں پہلا مکسور اور دوسرا ساکن ہے) ۔ تاہم چونکہ اس (اِئْـ = اِیْـ) کا پہلا ہمزہ ہمزۃ الوصل اور دوسرا (اصل مادہ کا) ہمزۃ القطع ہے (جو ضرورتاً "ی" میں بدل دیا گیا ہے ۔ اس لیے جب اس (اِئْـ یا اِیْـ) سے پہلے "واو" یا "فاء" عاطفہ آجائے تو یہ "ی" میں بدل جانے والا ہمزہ ساکنہ (تلفظ میں) دوبارہ لوٹ آتا ہے مگر اب اس کے شروع والا ہمزۃ الوصل تلفظ بلکہ کتابت میں بھی گرا دیا جاتا ہے ــ البتہ اگر "فَ" یا "وَ" کی بجائے کسی اور حرف (عطف) سے ملائیں تو یہ ھمزۃ الوصل لکھنے میں برقرار رہتا ہے (اگرچہ پڑھنے میں نہیں آتا) جیسے "ثُمَّ ائْتُوْا" (طٰہٰ : ۶۴) میں ہے ۔

● اس مادہ (أ ت ی) سے فعل ثلاثی مجرد "أَتٰی یَأْتِیْ اِتْیَانًا" (باب ضرب سے) آتا ہے اور لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یعنی اس کے معنی دو ہیں (۱) آنا ۔ جو لازم ہے مگر بعض دفعہ "جاء" کی طرح اس کے ساتھ ایک مفعول بھی آجاتا ہے ۔ (جیسے "جاءہ" یا "اتاہ" میں) اس وقت اس کا ترجمہ "...... کے پاس آنا" ہوتا ہے ۔ (۲) .... (کوئی کام) .... کرنا ۔ یعنی بطور متعدی آتا ہے ۔

"فَأْتُوا بِ......" بھی دراصل تین کلمات یعنی "فَ + اِئْتُوا + بِ" کا مرکب ہے ۔ اس کی ابتدائی فاء (فَ) تو حرف عطف بمعنیٰ "پس" یا "تو پھر" ہے ۔ اور آخری باء (بِ) فعل کا صلہ ہے جو اس کے معنی متعین کرتا ہے ۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوگا ۔

● فعل "اِئْتُوا" کا مادہ "أ ت ی" اور وزن اصلی "اِفْعِلُوا" ہے ۔ یعنی یہ فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے ۔ اس کی اصلی شکل "اِئْتِيُوا" تھی ۔ جس میں واو الجمع سے ماقبل والی یاء (ی) جو لام کلمہ ہے ساقط کر دی جاتی ہے ۔ اور اس سے ماقبل کے عین کلمہ کو (جو یہاں "ت" ہے) مکسور (تِ) ہونے کی بنا پر ضمہ (ـُـ) دے دیا جاتا ہے ۔ (اگر عین کلمہ مفتوح یا مضموم ہو تو وہ ضمہ (ـُـ) یا فتحہ (ـَـ) برقرار رہتا ہے) ـــــ اور شروع کا "اِءْ" یا "اِئْـ" مہموز کے قاعدۂ تخفیف کی بناء پر اب "اِیْ" میں بدل جاتا ہے (دو ہمزوں کے جمع ہونے کی بنا پر جن میں پہلا مکسور اور دوسرا ساکن ہے) ۔ تاہم چونکہ اس (اِئْـ = اِیْـ) کا پہلا ہمزہ ہمزۃ الوصل اور دوسرا (اصل مادہ کا) ہمزۃ القطع ہے (جو ضرورتاً "ی" میں بدل دیا گیا ہے ۔ اس لیے جب اس (اِئْـ یا اِیْـ) سے پہلے "واو" یا "فاء" عاطفہ آجائے تو یہ "ی" میں بدل جانے والا ہمزہ ساکنہ (تلفظ میں) دوبارہ لوٹ آتا ہے مگر اب اس کے شروع والا ہمزۃ الوصل تلفظ بلکہ کتابت میں بھی گرا دیا جاتا ہے ـــ البتہ اگر "فَ" یا "وَ" کی بجائے کسی اور حرف (عطف) سے ملائیں تو یہ ھمزۃ الوصل لکھنے میں برقرار رہتا ہے (اگرچہ پڑھنے میں نہیں آتا) جیسے "ثُمَّ ائْتُوا" (طٰہٰ : ٦٤) میں ہے ۔

● اس مادہ (أ ت ی) سے فعل ثلاثی مجرد "أَتَى يَأْتِي اِتْيَانًا" (باب ضرب سے) آتا ہے اور لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یعنی اس کے معنی دو ہیں (۱) آنا ـ جو لازم ہے مگر بعض دفعہ "جاء" کی طرح اس کے ساتھ ایک مفعول بھی آجاتا ہے ۔ (جیسے "جاءہ" یا "اتاہ" میں) اس وقت اس کا ترجمہ "...... کے پاس آنا" ہوتا ہے ۔ (۲) .... (کوئی کام) .... کرنا ۔ یعنی بطور متعدی آتا ہے ۔

(جون ۱۹۸۹ء) نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں:

۱: **پہلا قول**: اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغۂ فعل "تَسَوَّرُوا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص: ۲۱) ۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْرٌ" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید: ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا قول**: یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور ہر دو کے معنی ہیں: "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ"۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل وحدت (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ اردو، فارسی میں بھی مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

(جون ۱۹۸۹ء) نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں:

۱: **پہلا قول**: اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغۂ فعل "تَسَوَّرُوا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص: ۲۱) ۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْرٌ" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید: ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا قول**: یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور ہر دو کے معنی ہیں: "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ"۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل وحدت (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ اردو، فارسی میں بھی مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

(جون ۱۹۸۹ء) نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں:

۱: **پہلا قول**: اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغۂ فعل "تَسَوَّرُوا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص: ۲۱) ۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْر" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید: ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا قول**: یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور ہر دو کے معنی ہیں: "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ"۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل **وحدت** (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ اردو، فارسی میں بھی مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

(جون ۱۹۸۹ء) نہیں گزرا)۔

"لفظ" سورہ کی لغوی اصل کے بارے میں دو قول ہیں:

۱: **پہلا قول**: اس کا مادہ "س و ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس کا فعل ثلاثی مجرد سَارَ یَسُوْرُ سَوْرًا (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: بلند ہونا، دیوار پر چڑھنا۔ اس مادہ سے ہی باب "تفعّل" کا ایک صیغۂ فعل "تَسَوَّرُوا" قرآن کریم میں آیا ہے (ص: ۲۱) ۔ اور اس مادہ سے ہی لفظ "سُوْر" بمعنی شہر کی فصیل (بیرونی حفاظتی دیوار) آتا ہے اور یہ لفظ بھی قرآن کریم میں (الحدید: ۱۳) آیا ہے۔ اس لفظ (سُوْرٌ) کے ایک معنی درجہ اور منزلت بھی ہیں اور عربی زبان میں کامل اور مکمل (بلحاظ عمر و قوت) اونٹنی کو بھی "سُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔

۲۔ **دوسرا قول**: یہ ہے کہ اس کا مادہ "س ء ر" اور وزن "فُعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "سَأَرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب فتح سے) اور سَئِرَ یَسْأَرُ سُؤْرًا (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور ہر دو کے معنی ہیں: "باقی بچنا، کچھ حصہ باقی رہ جانا" اور "سُؤْرَةٌ" کے معنی ہیں "بقایا حصہ" یا (صرف) "حصہ"۔ اور اس میں ہمزہ ساکنہ ماقبل متحرک کو اس حرکت کے موافق حرف (ا، و، ی) کی صورت میں پڑھنا جائز ہے یعنی عرب اس طرح بھی بولتے ہیں اس بناء پر "سُؤْرَةٌ" کو "سُوْرَةٌ" بولنا بھی جائز ہے۔ ویسے یہ مادہ (س ء ر) اور اس سے کوئی فعل قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔

اس طرح لفظ "سورۃ" میں رتبہ، درجہ، منزلت، ایک مکمل **وحدت** (UNIT) اور حصہ کے معنی شامل ہیں۔ اھ۔ اب یہ لفظ اصطلاحاً قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں جن کے نام اور آیتوں کی اندرونی ترتیب سب توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے۔ لفظ "سورۃ" اپنے ان ہی اصطلاحی معنوں اور اسی صورت کے ساتھ اردو، فارسی میں بھی مستعمل ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اس کی املاء "سورت"

باعث تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے اگرچہ خطاً (کتابت میں) برقرار رہتا ہے۔

● اس مادہ (دعو) سے فعل ثلاثی مجرد "دعا.... یدعُو دعاءً وَ دَعْوَۃً وَ دَعْویً" ۔ جو دراصل دعَوَ یَدْعُوُ دُعاوًا تھا۔ (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "....... کو پکارنا، ...... سے دعا مانگنا، ..... کو (مدد کے لیے) بلانا"۔ اور اگر مصدر "دعوۃ" ہو ۔ یعنی "دَعا دَعْوَۃً" تو اس کے معنی عموماً "کھانے پر بلانے کے ہوتے ہیں۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور عموماً مفعول بنفسہٖ کے ساتھ (بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ تاہم مختلف صلات (لِ، علی، الی) کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے جس سے اس کے معنی بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل (ثلاثی مجرد) کے، صلہ کے ساتھ اور صلہ کے بغیر، مختلف صیغے ۱۷۰ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اور اس سے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ کے چالیس(۴۰) کے قریب الفاظ اور بابِ افتعال سے بھی اَفعال کے چار صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ ان سب کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲:۱۷:۱(۸) [شُھَدَآءَکُمْ] ہیں آخری "کُمْ" تو ضمیر مجرور متصل ہے جس کا ترجمہ "تمہارے، اپنے" کے ساتھ ہوگا۔ اور

"شھداء" کا مادہ "ش ھ د" اور وزن "فُعَلَاءُ" (غیر منصرف) ہے جو "شھیدٌ" بروزن "فَعِیلٌ" کی جمع مکسر ہے۔ اس مادہ (شھد) سے فعل ثلاثی مجرد "شَھِدَ ..... یشھَدُ شھودًا (باب سمِعَ سے) بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں "..... کے موقع پر موجود ہونا، ...... کا معائنہ کرنا"۔ اور اگر اسی باب (شھِد یشھَد) سے مصدر شھادۃً ہو تو اس کے معنی "گواہی دینا اور بچشم خود دیکھنا" ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ "اقرار کرنا اور جان لینا" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور مختلف صلات (مثلاً لِ، بِ، علی) کے ساتھ اس کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی آئے ہیں۔

باعث تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے اگرچہ خطاً (کتابت میں) برقرار رہتا ہے۔

● اس مادہ (دعو) سے فعل ثلاثی مجرد "دعا.... یدعُو دعاءً وَ دَعْوَۃً وَ دَعْوَیً" ـــ جو دراصل دعَوَ یَدْعُوُ دُعاوًا تھا۔ (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "...... کو پکارنا"، ...... سے دعا مانگنا، ..... کو (مدد کے لیے) بلانا"۔ اور اگر مصدر "دعوۃ" ہو ـــ یعنی "دَعا دَعْوَۃً" تو اس کے معنی عموماً "کھانے پر بلانے کے ہوتے ہیں۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور عموماً مفعول بنفسہٖ کے ساتھ (بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ تاہم مختلف صلات (لِ، علی، الی) کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے جس سے اس کے معنی بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل (ثلاثی مجرد) کے، صلہ کے ساتھ اور صلہ کے بغیر مختلف صیغے ۱۷۰ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اور اس سے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ کے چالیس کے قریب الفاظ اور باب افتعال سے بھی اَفْعال کے چار صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ ان سب کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲:۱۷:۱ (۸) [شُهَدَآءَكُمْ] ہیں آخری "کُمْ" تو ضمیر مجرور متصل ہے جس کا ترجمہ "تمہارے، اپنے" کے ساتھ ہو گا۔ اور

"شهداء" کا مادہ "ش ه د" اور وزن "فُعَلَاءُ" (غیر منصرف) ہے جو "شهيدٌ" بروزن "فَعِيلٌ" کی جمع مکسر ہے۔ اس مادہ (شهد) سے فعل ثلاثی مجرد "شَهِدَ ..... يَشْهَدُ شُهُودًا (باب سَمِعَ سے) بغیر صلہ کے استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں "..... کے موقع پر موجود ہونا"، ..... کا معائنہ کرنا"۔ اور اگر اسی باب (شَهِدَ يَشْهَدُ) سے مصدر شهادۃً ہو تو اس کے معنی "گواہی دینا اور بچشم خود دیکھنا" ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ "اقرار کرنا اور جان لینا" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور مختلف صلات (مثلاً لِ، بِ، علی) کے ساتھ اس کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں۔ جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی آئے ہیں۔

کل ۷۶ دفعہ استعمال ہوا ہے ۔ ان مختلف استعمالات سے حسبِ موقع اس کے معنوں کا تعین کرنے میں بھی مدد ملتی ہے ۔

۲:۱۷:۱(۹) [مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ] کے اسم جلالت (اللّٰہ) پر لغوی بحث سورۃ الفاتحہ کے شروع میں ۱:۱:۱(۲) میں ہو چکی ہے اور " من دون " میں " من " حرف جر ہے جو " من قبل " اور " من بعد " کی طرح لفظ " دون " کے معنی کی وضاحت کرتا ہے ۔

● لفظ " دُوْنَ " جس کا مادہ " د و ن " اور وزن " فُعْلٌ " ہے اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " دان یَدُوْن دُوْنًا " (باب نصر سے) بمعنیٰ گھٹیا یا کمزور ہونا آتا ہے ۔ بلکہ بعض اہل لغت کے نزدیک تو اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد آتا ہی نہیں ہے ۔ اور قرآن کریم میں تو اس مادہ سے کسی قسم کا (مجرد یا مزید فیہ) فعل کہیں استعمال نہیں ہوا ۔

● لفظ " دُوْنٌ " دراصل تو " معرب " ہے اور اس کے بنیادی معنی " کم تر، گھٹیا، ناقص اور حقیر " کے ہیں اور اسی معنی میں یہ اردو فارسی میں بھی مستعمل ہے ۔ جیسے " دنیائے دوں " میں ۔ تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ بطور اسم معرب کہیں استعمال نہیں ہوا ۔۔۔ اس لفظ (دُوْن) کا زیادہ استعمال ظرفیت (حقیقی یا معنوی) کے لیے ہوتا ہے ۔ اور اس کے لیے یہ ہمیشہ منصوب اور مضاف ہو کر (قبل اور بعد کی طرح) استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " دونَ الجھر (الاعراف : ۲۰۵) ' دُونَ العذاب (السجدہ : ۲۱) ' دونَ اللّٰہِ (الصفّٰت : ۸۶) میں ۔۔۔ اور اس (اضافت والی) صورت میں بیشتر اس سے پہلے " مِنْ " استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " من دونِ اللّٰہِ " (آیت زیر مطالعہ میں) ۔ اس اضافت والے استعمال کی صورت میں اس لفظ (دون) کے حسب موقع متعدد معنی ہوتے ہیں مثلاً (۱) ...... کے علاوہ ' ...... کے سوا ۔ (۲) ...... کو چھوڑ کر (۳) ...... کے خلاف (۴) ...... کے بغیر (۵) ...... کے مقابلے پر (۶) ...... سے کم تر (۷) ...... کے نیچے (۸) ...... کے ہمراہ (۹) ...... کے سامنے (۱۰) ......

کل ۲۷ دفعہ استعمال ہوا ہے ۔ ان مختلف استعمالات سے حسبِ موقع اس کے معنوں کا تعین کرنے میں بھی مدد ملتی ہے ۔

۲ : ۱۷ : ۱ (۹) [مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ] کے اسم جلالت (اللہ) پر لغوی بحث سورۃ الفاتحہ کے شروع میں ۱ : ۱ : ۱ (۲) میں ہو چکی ہے اور " من دون " میں " من " حرف جر ہے جو " من قبل " اور " من بعد " کی طرح لفظ " دون " کے معنی کی وضاحت کرتا ہے ۔

● لفظ " دُوْنَ " جس کا مادہ " دون " اور وزن " فُعْلُ " ہے اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " دان یَدُوْن دُوْنًا " (باب نصر سے) بمعنیٰ گھٹیا یا کمزور ہونا آتا ہے ۔ بلکہ بعض اہلِ لغت کے نزدیک تو اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد آتا ہی نہیں ہے ۔ اور قرآن کریم میں تو اس مادہ سے کسی قسم کا (مجرد یا مزید فیہ) فعل کہیں استعمال نہیں ہوا ۔

● لفظ " دُوْنٌ " دراصل تو " معرب " ہے اور اس کے بنیادی معنی " کم تر، گھٹیا، ناقص اور حقیر " کے ہیں اور اسی معنی میں یہ اردو فارسی میں بھی مستعمل ہے ۔ جیسے " دنیائے دوں " میں ۔ تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ بطور اسم معرب کہیں استعمال نہیں ہوا ــــ اس لفظ (دُوْن) کا زیادہ استعمال ظرفیت (حقیقی یا معنوی) کے لیے ہوتا ہے ۔ اور اس کے لیے یہ ہمیشہ منصوب اور مضاف ہو کر (قبل اور بعد کی طرح) استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " دونَ الجھر (الاعراف : ۲۰۵) ' دُونَ العذابِ (السجدہ : ۲۱) ' دونَ اللّٰہِ (الصّٰفّٰت : ۸۶) میں ــــ اور اس (اضافت والی) صورت میں بیشتر اس سے پہلے " مِنْ " استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے " من دونِ اللّٰہِ " (آیت زیرِ مطالعہ میں) ۔ اس اضافت والے استعمال کی صورت میں اس لفظ (دون) کے حسبِ موقع متعدد معنی ہوتے ہیں مثلاً (۱) ...... کے علاوہ ' ...... کے سوا ۔ (۲) ...... کو چھوڑ کر (۳) ...... کے خلاف (۴) ...... کے بغیر (۵) ...... کے مقابلے پر (۶) ...... سے کم تر (۷) ...... کے نیچے (۸) ...... کے ہمراہ (۹) ...... کے سامنے (۱۰) ......

ـــــ قرآن کریم میں اس سے فعل مجرّد کے صیغے ۱۵ جگہ اور مزید فیہ کے ابواب سے افعال کے مختلف صیغے ۱۶ جگہ آئے ہیں اس کے علاوہ ثلاثی مجرد و مزید فیہ کے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ کے مختلف صیغے سَو سے زیادہ جگہ آئے ہیں۔ ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

۲:۱۷:۱(۱۱) [**فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا**] یہ دراصل چار کلمات یعنی ف + اِنْ + لَمْ + تَفْعَلُوْا کا مرکب ہے۔ ابتدائی فاء (فَ) یہاں حرفِ ربط کا کام دے رہی ہے اس کا اردو ترجمہ "پھر" یا "پس" ہی ہوگا۔ اور "اِنْ" حرفِ شرط ہے۔ بمعنیٔ "اگر"۔

"فَ" کے معنی و استعمالات کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ: ۲۲ یعنی ۲:۱۶:۱(۱۰) اور "اِنْ" کے معانی و استعمالات کے لیے (اوپر) البقرہ: ۲۳ ـــ ۲:۱۷:۱(۱) دیکھئے۔ "لَمْ" حرفِ جازم ہے۔ جس کے الگ اپنے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر یہ فعل مضارع کی شکل اور معنی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ یعنی یہ (لَمْ) فعلِ مضارع پر داخل ہو (یعنی پہلے آئے) تو اس (فعل مضارع) کو مجزوم کر دیتا ہے اور بلحاظ معنی اس (مضارع) میں فعل ماضی منفی بجحد یعنی زور اور تاکید کے ساتھ نفی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

"**تفعلوا**" کا مادہ "ف ع ل" اور وزن (بھی) "تَفْعَلُوْا" ہے۔ اس مادہ (ف ع ل) کے تین حرفوں کو علم الصرف میں مادہ اور وزن کی بنیاد ٹھہرایا جاتا ہے۔ تاہم اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی "فَعَلَ ..... یَفْعَلُ فَعْلاً" (باب فتح سے) کے معنی ہوتے ہیں۔ "..... (کوئی کام) ..... کرنا" ـــ یہ فعل متعدی ہے تاہم استعمال میں اکثر اس کا مفعول غیر مذکور ہوتا ہے۔ اور اگرچہ عربی زبان میں اس مادہ سے باب انفعال اور افتعال سے بھی (مختلف معنی کے لیے) فعل استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ کے صرف فعل مجرد سے ہی افعال اور اسمائے مشتقہ کے مختلف صیغے بکثرت (تقریباً ۱۰۸ جگہ) وارد ہوئے ہیں۔

ــــ قرآن کریم میں اس سے فعل مجرّد کے صیغے ۱۵ جگہ اور مزید فیہ کے ابواب سے افعال کے مختلف صیغے ۱۶ جگہ آئے ہیں اس کے علاوہ ثلاثی مجرد و مزید فیہ کے مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ کے مختلف صیغے ستّر سے زیادہ جگہ آئے ہیں۔ ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

۲:۱۷:۱(۱۱) [**فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا**] یہ دراصل چار کلمات یعنی ف + اِنْ + لَمْ + تَفْعَلُوْا کا مرکب ہے۔ ابتدائی فاء (فَ) یہاں حرفِ ربط کا کام دے رہی ہے اس کا اردو ترجمہ "پھر" یا "پس" ہی ہوگا۔ اور "اِنْ" حرفِ شرط ہے۔ بمعنیٰ "اگر"۔

"فَ" کے معنی و استعمالات کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ: ۲۲ یعنی ۲:۱۶:۱(۱۰) اور "اِنْ" کے معانی و استعمالات کے لیے (اوپر) البقرہ: ۲۳ ــ ۲:۱۷:۱(۱) دیکھئے۔ "لَمْ" حرفِ جازم ہے۔ جس کے الگ اپنے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر یہ فعل مضارع کی شکل اور معنی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ یعنی یہ (لَمْ) فعلِ مضارع پر داخل ہو (یعنی پہلے آئے) تو اس (فعل مضارع) کو مجزوم کر دیتا ہے اور بلحاظ معنی اس (مضارع) میں فعل ماضی منفی بجحد یعنی زور اور تاکید کے ساتھ نفی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

"**تفعلوا**" کا مادہ "ف ع ل" اور وزن (بھی) "تَفْعَلُوْا" ہے۔ اس مادہ (ف ع ل) کے تین حرفوں کو علم الصرف میں مادہ اور وزن کی بنیاد ٹھہرایا جاتا ہے۔ تاہم اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی "فَعَلَ ..... یَفْعَلُ فَعْلاً" (باب فتح سے) کے معنی ہوتے ہیں ـ "..... (کوئی کام) ..... کرنا" ــــ یہ فعل متعدی ہے تاہم استعمال میں اکثر اس کا مفعول غیر مذکور ہوتا ہے۔ اور اگرچہ عربی زبان میں اس مادہ سے باب انفعال اور افتعال سے بھی (مختلف معنی کے لیے) فعل استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ کے صرف فعل مجرد سے ہی افعال اور اسمائے مشتقہ کے مختلف صیغے بکثرت (تقریباً ۱۰۸ جگہ) وارد ہوئے ہیں۔

کیا جائے تو اس میں ارادہ اور نیت کی نفی سمجھی جاتی ہے اور اس سے مفہوم ہی کچھ اور ہو جاتا ہے ۔ اصل مقصود تو " استطاعت " کی نفی ہے جو فعل" سکنا "کے ذریعے ہی ظاہر کی جا سکتی ہے ۔

بعض حضرات نے فعل میں نفی جحد کا زور مدنظر رکھتے ہوئے " ولن تفعلوا" کا ترجمہ " قیامت تک نہ کر سکو گے "کیا ہے ۔ جسے تفسیری ترجمہ قرار دے کر ہی درست کہا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ آیت کی عبارت میں تو " قیامت تک " کے لیے کوئی الفاظ نہیں ہیں ۔

[فَاتَّقُوا] میں " فَ " تو عاطفہ بمعنی " پس " ، اسی لیے " ہے اور " اتقوا " کا مادہ " و ق ی " اور وزن اصلی " اِفتَعِلوا " ہے ۔ اس کی اصلی شکل " اِوْتَقِیُوا " تھی ۔ جس میں ابتدائی " و " کو عرب لوگ قاعدہ کلیہ کی طرح (ہمیشہ) " ت " میں بدل کر بولتے ہیں ۔ اس طرح اس فعل کے شروع کا حصہ " اِوْتَ " بدل کر " اِتَّ " ہو جاتا ہے ۔ اور آخری حصہ " قِیُوا " کے واو الجمع سے ماقبل لام کلمہ (ی) ساقط ہو کر اس سے ماقبل مکسور " ق " (عین کلمہ) کو مضموم کر دیا جاتا ہے ۔ اس طرح یہ لفظ " اِتَّقُوا " بن جاتا ہے جو اس مادہ (وق ی) سے باب افتعال کے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے ۔

اس مادہ کے فعل ثلاثی مجرد کے باب ، معنی اور استعمال پر البقرہ : ۲ یعنی ۲ : ۱ : ۱ (۷) میں بات ہو چکی ہے ۔ بلکہ وہیں اس مادہ (وقی) سے باب افتعال کے فعل کے معنی اور اس فعل میں واقع ہونے والی صرفی تعلیل کا ذکر بھی ہو چکا ہے ۔

[النَّارَ] جو لفظ " نار " کی معرف باللام شکل ہے اور لفظ " نار " کا مادہ " ن و ر " اور وزن اصلی " فَعَلٌ " ہے ۔ شکل اصلی " نَوَرٌ " ہے ۔ جس میں " واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر " لفظ " نار " بن جاتا ہے ۔ اس مادہ (ن و ر) سے فعل مجرد کے باب و معنی نیز لفظ " نار " کے معنی

کیا جائے تو اس میں ارادہ اور نیت کی نفی سمجھی جاتی ہے اور اس سے مفہوم ہی کچھ اور ہو جاتا ہے ۔ اصل مقصود تو " استطاعت " کی نفی ہے جو فعل" سکنا "کے ذریعے ہی ظاہر کی جا سکتی ہے ۔

بعض حضرات نے فعل میں نفی جحد کا زور مدنظر رکھتے ہوئے " ولن تفعلوا " کا ترجمہ " قیامت تک نہ کر سکو گے "کیا ہے ۔ جسے تفسیری ترجمہ قرار دے کر ہی درست کہا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ آیت کی عبارت میں تو " قیامت تک " کے لیے کوئی الفاظ نہیں ہیں ۔

[**فَاتَّقُوا**] میں " فَ " تو عاطفہ بمعنی " پس " اس لیے " ہے اور " اتقوا " کا مادہ " و ق ی " اور وزن اصلی " اِفتَعِلوا " ہے ۔ اس کی اصلی شکل " اِوْتَقِیُوا " تھی ۔ جس میں ابتدائی " و " کو عرب لوگ قاعدہ کلیہ کی طرح (ہمیشہ) " ت " میں بدل کر بولتے ہیں ۔ اس طرح اس فعل کے شروع کا حصہ " اِوْتَ " بدل کر " اِتَّ " ہو جاتا ہے ۔ اور آخری حصّہ " قِیُوا " کے واو الجمع سے ماقبل لام کلمہ (ی) ساقط ہو کر اس سے ماقبل مکسور " ق " (عین کلمہ) کو مضموم کر دیا جاتا ہے ۔ اس طرح یہ لفظ " اِتَّقُوا " بن جاتا ہے جو اس مادہ (و ق ی) سے باب افتعال کے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے ۔

اس مادہ کے فعل ثلاثی مجرد کے باب، معنی اور استعمال پر البقرہ : ۲ یعنی ۲ : ۱ : ۱ (۷) میں بات ہو چکی ہے ۔ بلکہ وہیں اس مادہ (و ق ی) سے باب افتعال کے فعل کے معنی اور اس فعل میں واقع ہونے والی صرفی تعلیل کا ذکر بھی ہو چکا ہے ۔

[**النَّارَ**] جو لفظ " نار " کی معرف باللام شکل ہے اور لفظ " نار " کا مادہ " ن و ر " اور وزن اصلی " فَعَلٌ " ہے ۔ شکل اصلی " نَوَرٌ " ہے ۔ جس میں " واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر " لفظ " نار " بن جاتا ہے ۔ اس مادہ (ن و ر) سے فعل مجرد کے باب و معنی نیز لفظ " نار " کے معنی

کرنا"۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی آتا ہے اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں (۱) جس چیز سے روکا جائے یہ ہمیشہ بنفسہ آتا ہے اور (۲) وہ جس کو روکا جائے اس پر "علی" کا صلہ آتا ہے مثلاً کہتے ہیں "حجر علیہ الامر (اس کو اس معاملہ سے روک دیا) زیادہ تر یہ قانونی اور عدالتی ممانعت کے لیے استعمال ہوتا ہے ـ تاہم ...... تاہم اس مادہ (حجر) سے قرآن کریم میں کسی قسم کے فعل (مجرد یا مزید فیہ) کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا ـ البتہ اس سے ماخوذ مختلف المعنی جامد اور مشتق اسماء بیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا ـ ان شاءاللہ تعالیٰ

● یہ لفظ (حجارۃ) جو معرفہ ونکرہ مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر دس جگہ وارد ہوا ہے، جمع کا صیغہ ہے ـ اس کا واحد "حَجَرٌ" ہے جس کے معنی ہیں "پتھر" ـ اور یہ (صیغۂ واحد) بھی معرف باللام ہوکر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے ـ لفظ "حَجَرٌ" کی جمع مکسر "حِجَارَۃٌ" کے علاوہ "اَحْجَار، حِجَارٌ اور اَحجُر" وغیرہ بھی استعمال ہوتی ہیں تاہم قرآنِ کریم میں "حِجَارۃ" کے علاوہ کوئی دوسری جمع مستعمل نہیں ہوئی ـ

۲:۱۷:۱ (۱۴) [**اُعِدَّتْ**] کا مادہ "ع د د" اور وزنِ اصلی "اُفْعِلَتْ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اُعْدِ دَتْ" تھی جس میں فعل مضاعف کے قاعدۂ ادغام کے مطابق پہلی "دِ" کی کسرہ عین ساکنہ (عْ) کو دے کر پھر دو دال (دْدَ) کو مدغم (دَّ) کر دیا گیا یعنی اُعْدِدَت = اُعِدْدَتْ = اُعِدَّتْ ـ

● اس مادہ (عدد) سے فعل ثلاثی مجرد "عَدَّ ..... یعُدُّ عدًّا" (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے دو معنی ہیں (۱) .... کو گننا، ...... شمار کرنا" اور (۲) .... کو ...... سمجھنا، خیال کرنا" ـ یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے مثلاً "عَدَّهُم (مریم: ۹۴) اس نے ان کو گن لیا" ــــ دوسرے معنی (خیال کرنا) کے لیے یہ "حَسِبَ" اور "ظنَّ" کے ہی معنوں میں اور ان کی طرح دو مفعول کے ساتھ آتا ہے ـ جیسے "عَدَّ زیداً عالمًا" (اس نے زید کو عالم سمجھا یا علماء میں شمار کیا) ـ

کرنا"۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی آتا ہے اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں (۱) جس چیز سے روکا جائے یہ ہمیشہ بنفسہ آتا ہے اور (۲) وہ جس کو روکا جائے اس پر "علی" کا صلہ آتا ہے مثلاً کہتے ہیں "حجر علیہ الامر (اس کو اس معاملہ سے روک دیا) زیادہ تر یہ قانونی اور عدالتی ممانعت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تاہم ..... تاہم اس مادہ (حجر) سے قرآن کریم میں کسی قسم کے فعل (مجرد یا مزید فیہ) کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اس سے ماخوذ مختلف المعنی جامد اور مشتق اسماء بیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

● یہ لفظ (حجارۃ) جو معرفہ و نکرہ مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر دس جگہ وارد ہوا ہے، جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد "حَجَرٌ" ہے جس کے معنی ہیں "پتھر"۔ اور یہ (صیغۂ واحد) بھی معرف باللام ہو کر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔ لفظ "حَجَرٌ" کی جمع مکسر "حِجَارَۃٌ" کے علاوہ "اَحْجَار، حِجَارٌ اور اَحْجُر" وغیرہ بھی استعمال ہوتی ہیں تاہم قرآنِ کریم میں "حِجَارۃ" کے علاوہ کوئی دوسری جمع مستعمل نہیں ہوئی۔

۲:۱۷:۱(۱۴) [**اُعِدَّتْ**] کا مادہ "ع د د" اور وزنِ اصلی "اُفْعِلَتْ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اُعْدِدَتْ" تھی جس میں فعل مضاعف کے قاعدۂ ادغام کے مطابق پہلی "دِ" کی کسرہ عین ساکنہ (عْ) کو دے کر ہر دو دال (دْدَ) کو مدغم (دَّ) کر دیا گیا یعنی اُعْدِدَت = اُعِدْدَتْ = اُعِدَّتْ۔

● اس مادہ (عدد) سے فعل ثلاثی مجرد "عَدَّ ..... یعُدُّ عدًّا" (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے دو معنی ہیں (۱) ..... کو گننا، ..... شمار کرنا" اور (۲) "..... کو ..... سمجھنا، خیال کرنا"۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے مثلاً "عَدَّھُم (مریم: ۹۴) اس نے ان کو گن لیا" ــــ دوسرے معنی (خیال کرنا) کے لیے یہ "حَسِبَ" اور "ظنَّ" کے ہی معنوں میں اور ان کی طرح دو مفعول کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے "عَدَّ زیداً عالمًا" (اس نے زید کو عالم سمجھا یا علماء میں شمار کیا)۔

۲:۱۷:۲ الإعراب

زیرِ مطالعہ دو آیات چھوٹے چھوٹے سات جملوں پر مشتمل ہیں جن میں سے بیشتر آپس میں شرط اور جوابِ شرط کا تعلق رکھتے ہیں اور مل کر جملہ شرطیہ بنتے ہیں۔ اور بعض "واو" عاطفہ یا "فاء" عاطفہ (برائے رابطہ) کے ذریعے باہم مربوط ہیں۔ تمام جملوں کی ترکیب اعرابی کی تفصیل یوں ہے:

① وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ــــ ...

اس میں ابتدائی واو ["وَ"] استیناف کی ہے کیونکہ اس کا سابقہ آیت یا اس کے آخری حصہ (وانتم تعلمون) پر بلحاظ معنی عطف ہو ہی نہیں سکتا۔ آیت زیرِ مطالعہ کے ذریعے ایک الگ بات شروع کی گئی ہے۔ [اِنْ] شرطیہ ہے اور [کُنْتُمْ] فعل ناقص (ماضی) ہے جس میں اس کا اسم "انتم" بصورت ضمیر مستتر ہے۔ اگرچہ فعل ماضی ہونے کی وجہ سے حرفِ شرط (اِنْ) کا اس (کُنْتُمْ) پر کوئی "عمل" نہیں ہوا۔ تاہم نحو کی اصطلاح میں یہاں "کنتم" کو محلاً منصوب کہہ سکتے ہیں۔ [فی ریبٍ] جار (فی) اور مجرور (ریبٍ) مل کر اس "کنتم" کی خبر محذوف کا کام دے رہا ہے۔ [مِمَّا] جار مجرور ("من + ما" موصولہ) مل کر "فی ریبٍ" سے متعلق ہے۔ یعنی یہ "من" بیانیہ ہے جو اس "ریب" (شک) کی وضاحت کرتا ہے کہ کون سا شک؟ کس کے بارے میں؟ ــ [نزّلنا] فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیرِ تعظیم (نحن) بصورت "نا" فعل کے صیغہ میں موجود ہے[1] یعنی "ہم نے اتارا"۔ اس (نزّلنا) میں دراصل ایک ضمیر عائد محذوف ہے یعنی دراصل (تقدیرِ عبارت) "نزّلناہ" ہے۔

---

[1] خیال رہے کہ جب "جمع" کی ضمیر متصل یا منفصل اللہ تعالےٰ کے لیے آئے تو اسے ضمیر فاعلین یا صیغہ جمع کی ضمیر کہنے کی بجائے احتراماً اور عقیدۃً "ضمیرِ تعظیم" کہتے ہیں۔

۲:۱۷:۲ الإعراب

زیرِ مطالعہ دو آیات چھوٹے چھوٹے سات جملوں پر مشتمل ہیں جن میں سے بیشتر آپس میں شرط اور جوابِ شرط کا تعلق رکھتے ہیں اور مل کر جملہ شرطیہ بنتے ہیں۔ اور بعض "واو" عاطفہ یا "فاء" عاطفہ (برائے رابطہ) کے ذریعے باہم مربوط ہیں۔ تمام جملوں کی ترکیب اعرابی کی تفصیل یوں ہے:

① وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ــــ ...

اس میں ابتدائی واو ["وَ"] استیناف کی ہے کیونکہ اس کا سابقہ آیت یا اس کے آخری حصہ (وانتم تعلمون) پر بلحاظ معنی عطف ہو ہی نہیں سکتا۔ آیت زیرِ مطالعہ کے ذریعے ایک الگ بات شروع کی گئی ہے۔ [اِنْ] شرطیہ ہے اور [کُنْتُمْ] فعل ناقص (ماضی) ہے جس میں اس کا اسم "انتم" بصورت ضمیر مستتر ہے۔ اگرچہ فعل ماضی ہونے کی وجہ سے حرفِ شرط (اِنْ) کا اس (کُنْتُمْ) پر کوئی "عمل" نہیں ہوا۔ تاہم نحو کی اصطلاح میں یہاں "کنتم" کو محلاً منصوب کہہ سکتے ہیں۔ [فی ریبٍ] جار (فی) اور مجرور (ریبٍ) مل کر اس "کنتم" کی خبر محذوف کا کام دے رہا ہے۔ [مِمَّا] جار مجرور ("من + ما" موصولہ) مل کر "فی ریبٍ" سے متعلق ہے۔ یعنی یہ "من" بیانیہ ہے جو اس "ریب" (شک) کی وضاحت کرتا ہے کہ کون سا شک؟ کس کے بارے میں؟ ــ [نزّلنا] فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیرِ تعظیم (نحن) بصورت "نا" فعل کے صیغہ میں موجود ہے[1] یعنی "ہم نے اتارا"۔ اس (نزّلنا) میں دراصل ایک ضمیر عائد محذوف ہے یعنی دراصل (تقدیرِ عبارت) "نزّلناہ" ہے۔

---

[1] خیال رہے کہ جب "جمع" کی ضمیر متصل یا منفصل اللہ تعالےٰ کے لیے آئے تو اسے ضمیر فاعلین یا صیغہ جمع کی ضمیر کہنے کی بجائے احتراماً اور عقیدۃً "ضمیرِ تعظیم" کہتے ہیں۔

آدمی کی طرف سے " ۔ ضمیر (ہ) کے لیے یہ دو " مرجع " والا امکان مفسرین اور اصحابِ بلاغت کے لیے نکتہ آفرینی کا باعث تو بنتا ہے[۱] تاہم ہمارے مترجمین (اردو، فارسی، انگریزی) میں سے کسی نے بھی " مثلہ " کی ضمیر مجرور کا مرجع " عبدنا " کو قرار نہیں دیا ۔ بلکہ سب نے " ما نزّلنا (ہ) " یعنی قرآن کو ہی اس کا مرجع سمجھ کر ترجمہ " اس قسم کی " ، " اس جیسی " ، " اس کے ہم پلّہ " " اس کے جوڑ کی " اور " اس طرح کی " کے ساتھ کیا ہے ۔ یہ جملہ (۲) سابقہ جملے کا جواب شرط ہے مگر اس سے اگلا جملہ (۳) بھی بذریعہ واو العطف اسی (جواب شرط) کا ہی ایک حصہ ہے ۔

۳ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللّٰهِ

[وَ] عاطفہ ہے اور [ادْعُوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور یہ فعل بذریعہ واو العطف سابقہ فعل " فَأْتُوا " پر بھی عطف ہو سکتا ہے (اور اس کے بعد والا جملہ بھی پہلے جملہ پر عطف ہو سکتا ہے) [شُهَدَاءَكُم] مرکب اضافی ہے جس میں " شہداء " مضاف اور ضمیر مجرور " کم " مضاف الیہ ہے ۔ اور یہ (مرکب) سابقہ فعل " وادعُوا " کا مفعول بہ منصوب ہے اور اس میں علامتِ نصب " شہداء " کے آخری ھمزہ (ء) کی فتحہ (ــَـ) ہے [مِن دُونِ اللّٰهِ] مرکب جاری ہے جس میں " مِن " حرف الجر " دون " ظرف مجرور اور (آگے) مضاف ہے اور " اللّٰهِ " مضاف الیہ (لھذا) مجرور ہے ۔ اور یہ سارا مرکب جاری (من دون اللّٰہ) " شہداءکم " کے حال یا اس کی صفت کا کام دے رہا ہے ۔ " یعنی بلالو اپنے حمایتیوں کو (جو) اللہ کے سوا (بنا رکھے) ہیں " ۔ یہاں تک کا جملہ (وادعوا شہداءکم من دون اللّٰہ) سابقہ جملہ (۲) پر عطف ہو کر جوابِ شرط میں بھی داخل سمجھا جا سکتا ہے ۔ اور اسے اس کے بعد آنے والے اگلے جملے (۴) کا جوابِ شرط (مقدم) بھی سمجھا جا سکتا ہے ۔

---

[۱] مثلاً دیکھیے زمخشری (الکشاف) ج ۱ ص ۲۴۲ یا الدرویش (اعراب القرآن) ج ۱ ص ۵۷ ۔

آدمی کی طرف سے " ۔ ضمیر (ہ) کے لیے یہ دو " مرجع " والا امکان مفسرین اور اصحاب بلاغت کے لیے نکتہ آفرینی کا باعث تو بنتا ہے[1] تاہم ہمارے مترجمین (اردو، فارسی، انگریزی) میں سے کسی نے بھی " مثلہ " کی ضمیر مجرور کا مرجع " عبدنا " کو قرار نہیں دیا ۔ بلکہ سب نے " ما نزّلنا (ہ) " یعنی قرآن کو ہی اس کا مرجع سمجھ کر ترجمہ " اس قسم کی " ، " اس جیسی " ، " اس کے ہم پلّہ " " اس کے جوڑ کی " اور " اس طرح کی " کے ساتھ کیا ہے ۔ یہ جملہ (۲) سابقہ جملے کا جواب شرط ہے مگر اس سے اگلا جملہ (۳) بھی بذریعہ واو العطف اسی (جواب شرط) کا ہی ایک حصہ ہے ۔

۳ وَادعُوا شُھَدَاءَکُم مِن دُونِ اللّٰہِ

[وَ] عاطفہ ہے اور [ادعُوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور یہ فعل بذریعہ واو العطف سابقہ فعل " فأتوا " پر بھی عطف ہو سکتا ہے (اور اس کے بعد والا جملہ بھی پہلے جملہ پر عطف ہو سکتا ہے) [شُھَدَاءَکُم] مرکب اضافی ہے جس میں " شھداء " مضاف اور ضمیر مجرور " کم " مضاف الیہ ہے ۔ اور یہ (مرکب) سابقہ فعل " وادعُوا " کا مفعول بہ منصوب ہے اور اس میں علامتِ نصب " شھداءَ " کے آخری ھمزہ (ء) کی فتحہ (ـَ) ہے [مِن دُونِ اللّٰہِ] مرکب جاری ہے جس میں " مِن " حرف الجر " دون " ظرف مجرور اور (آگے) مضاف ہے اور " اللّٰہِ " مضاف الیہ (لھذا) مجرور ہے ۔ اور یہ سارا مرکب جاری (من دون اللّٰہ) " شھداءکم " کے حال یا اس کی صفت کا کام دے رہا ہے ۔ " یعنی بلالو اپنے حمایتیوں کو (جو) اللہ کے سوا (بنا رکھے) ہیں " ۔ یہاں تک کا جملہ (وادعوا شھداءکم من دون اللّٰہ) سابقہ جملہ (۲) پر عطف ہو کر جوابِ شرط میں بھی داخل سمجھا جا سکتا ہے ۔ اور اسے اس کے بعد آنے والے اگلے جملے (۴) کا جوابِ شرط (مقدم) بھی سمجھا جا سکتا ہے ۔

---

[1] مثلاً دیکھیے زمخشری (الکشاف) ج ۱ ص ۲۴۲ یا الدرویش (اعراب القرآن) ج ۱ ص ۵۷ ۔

اس منصوب اور مجزوم مضارع کے معنی پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے۔ اس طرح یہ جملہ فعلیہ (وَلَنْ تفعلوا) پہلے شرط والے جملے (فان لم تفعلوا) اور آگے آنے والے جواب شرط جملے (فاتقوا .... والحجارۃ تک) جو آگے (۶) میں آرہا ہے ___ کے درمیان جملہ معترضہ کا کام دے رہا ہے۔ اور یہاں دونوں (مجزوم و منصوب) "تفعلوا" کے بعد ایک ضمیر مفعول محذوف ہے یعنی تقدیر عبارت بنتی ہے "فان لم تفعلوا (ہ) ولن تفعلو (ہ)" اس ضمیر محذوف کے ساتھ ترجمہ پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے۔ [۲ : ۱۷ : ۱ (۱۱) میں]۔

⑥ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ :-

شروع کی [فَ] یہاں بھی جواب شرط (جملے) کے لیے حرف ربط کا کام دے رہی ہے۔ [.... اتَّقُوا] فعل امر حاضر جمع مذکر ہے جس میں آخری واو الجمع (و) ضمیر فاعلین "انتم" کی علامت ہے [النَّارَ] اس فعل (فاتقوا) کا مفعول (لہذا) منصوب ہے علامت نصب "ر" کی فتحہ (ــَـ) ہے۔ [التی] اسم موصول ہے برائے واحد مؤنث ہے (النار مؤنث سماعی ہے) جو اپنے مابعد کی عبارت (صلہ) سمیت "النار" کی صفت کے طور پر آرہا ہے۔ لہذا یہ (التی) محلاً منصوب ہے۔ [وَقُودُهَا] یہ مرکب اضافی ہے (جس میں "وقود" مضاف اور ضمیر مجرور "ھا" مضاف الیہ ہے)۔ مبتداء ہے۔ اسی لیے "وَقُودُ" مرفوع ہے اور اس کی علامت رفع "د" کا ضمہ (ــُـ) ہے۔ [النَّاسُ] یہ "وَقُودُھا" کی خبر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے۔ یہاں بھی علامت رفع "س" کا ضمہ (ــُـ) ہے [وَالْحِجَارَةُ] "واو" تو عاطفہ ہے اور "الحِجَارَةُ" کا عطف "النَّاسُ" پر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے علامت رفع "ۃُ" کا ضمہ (ــُـ) ہے۔ اس طرح یہ جملہ اسمیہ "وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" سابقہ جملے (۵) کا جواب شرط ہے۔

اس منصوب اور مجزوم مضارع کے معنی پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے۔ اس طرح یہ جملہ فعلیہ (وَلَنْ تفعلوا) پہلے شرط والے جملے (فان لم تفعلوا) اور آگے آنے والے جواب شرط جملے (فاتقوا .... والحجارۃ تک) جو آگے (٦) میں آرہا ہے ــــــ کے درمیان جملہ معترضہ کا کام دے رہا ہے۔ اور یہاں دونوں (مجزوم و منصوب) "تفعلوا" کے بعد ایک ضمیر مفعول محذوف ہے یعنی تقدیر عبارت بنتی ہے "فان لم تفعلوا (ہ) ولن تفعلو (ہ)" اس ضمیر محذوف کے ساتھ ترجمہ پر ابھی اوپر "بحث اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے۔ [٢ : ١٧ : ١ (١١) میں]۔

⑥ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ :-

شروع کی [فَ] یہاں بھی جواب شرط (جملے) کے لیے حرفِ ربط کا کام دے رہی ہے۔ [.... اتَّقُوا] فعل امر حاضر جمع مذکر ہے جس میں آخری واو الجمع (و) ضمیر فاعلین "انتم" کی علامت ہے [النَّارَ] اس فعل (فاتقوا) کا مفعول (لھذا) منصوب ہے علامتِ نصب "ر" کی فتحہ (ـَ) ہے۔ [الَّتِي] اسم موصول ہے برائے واحد مؤنث ہے (النار مؤنث سماعی ہے) جو اپنے مابعد کی عبارت (صلہ) سمیت "النار" کی صفت کے طور پر آرہا ہے۔ لھذا یہ (التی) محلاً منصوب ہے۔ [وَقُودُهَا] یہ مرکب اضافی ہے (جس میں "وقود" مضاف اور ضمیر مجرور "ھا" مضاف الیہ ہے)۔ مبتداء ہے۔ اسی لیے "وقودُ" مرفوع ہے اور اس کی علامت رفع "د" کا ضمہ (ـُ) ہے۔ [النَّاسُ] یہ "وَقودُھا" کی خبر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے۔ یہاں بھی علامتِ رفع "س" کا ضمہ (ـُ) ہے [وَالْحِجَارَةُ] "واو" تو عاطفہ ہے اور "الحجارۃُ" کا عطف "النّاسُ" پر ہے اور اسی لیے مرفوع ہے علامتِ رفع "ۃُ" کا ضمہ (ـُ) ہے۔ اس طرح یہ جملہ اسمیہ "وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" سابقہ جملے (٥) کا جوابِ شرط ہے۔

ہیں ـــ پھر ان تین مقامات میں سے بھی پہلا یعنی النساء : ۲۵ میں اس کا مقطوع (من ما) لکھنا تو متفق علیہ ہے البتہ الروم : ۲۸ والے لفظ کے بارے میں ابوداؤد کا اور المنفقون : ۱۰ والے لفظ کے بارے میں الدانی کا اختلاف منقول ہے[۱]
باقی تمام مقامات پر (جس میں زیرِ مطالعہ آیت بھی شامل ہے) یہ ہمیشہ موصول (مِمَّا) ہی لکھا جاتا ہے۔

(۲) کلمہ "صـدقین" جس کا رسم املائی " صادقین " ہے، قرآن کریم میں یہاں (آیت زیرِ مطالعہ میں) بلکہ ہر جگہ بحذف الالف بعد الصاد (بصورت " صـدقین") لکھا جاتا ہے۔ لفظ " صادقین " (نصب وجر میں) قرآن کریم میں کل پچاس جگہ اور " صادقون " (بحالت رفع) کل چھ (۶) جگہ آیا ہے اور یہ ان تمام (۵۶) مقامات پر بحذف الف " صـدقین یا صـدقون " ہی لکھا جاتا ہے۔ چاہے معرف باللام ہو یا نکرہ ـــ البتہ اس کا واحد " صادق " جو قرآن کریم میں کل تین جگہ (مریم : ۵۴ ، المؤمن : ۲۸ اور الذاریات : ۵) آیا ہے۔ یہ ہر جگہ باثبات الالف بعد الصاد یعنی " صادق " ہی لکھا جاتا ہے بلکہ اسی سے علمائے رسم نے ایک قاعدہ نکالا ہے کہ قرآن کریم میں اسم الفاعل کے وزن پر آنے والا لفظ ہمیشہ " باثبات الف " لکھا جاتا ہے اور اس کی جمع مذکر سالم ہر جگہ " بحذف الف " لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ سو فیصد قاعدہ (کلیہ) نہیں ہے

(۳) لفظ " الکافرین " (جس سے پہلے لام الجر اور لام تعریف ملا کر بصورت " لِلْ " لکھا جاتا ہے) کا معاملہ بھی بلحاظ رسم واملاء " صادقین " جیسا ہی ہے۔ یعنی یہ بھی بصورت جمع مذکر سالم تو ہر جگہ بحذف الالف بعد الکاف (کـفـرون، کفـرین) ہی لکھا جاتا ہے۔ اس صورت (جمع مذکر سالم کی) میں یہ لفظ قرآن کریم میں کل ۱۲۹ جگہ آیا ہے (جس میں زیرِ مطالعہ آیت کا لفظ بھی شامل ہے) اور ہر جگہ

---

[۱] دیکھئے المقنع (للدانی) ص ۶۹ ، العقیلہ (للشاطبی) ص ۸۷ اور لطائف البیان (شرح مورد الظمآن للخراز) ج ۲ : ص ۵۹

ہیں ـــ پھر ان تین مقامات میں سے بھی پہلا یعنی النساء : ۲۵ میں اس کا مقطوع (من ما) لکھنا تو متفق علیہ ہے البتہ الروم : ۲۸ والے لفظ کے بارے میں ابوداؤد کا اور المنفقون : ۱۰ والے لفظ کے بارے میں الدانی کا اختلاف منقول ہے[1] باقی تمام مقامات پر (جس میں زیرِ مطالعہ آیت بھی شامل ہے) یہ ہمیشہ موصول (مِمَّا) ہی لکھا جاتا ہے ۔

(۲) کلمہ "صٰدقین" جس کا رسم املائی "صادقین" ہے، قرآن کریم میں یہاں (آیت زیرِ مطالعہ میں) بلکہ ہر جگہ بحذف الالف بعد الصاد (بصورت "صدقین") لکھا جاتا ہے ۔ لفظ "صادقین" (نصب وجر میں) قرآن کریم میں کل پچاس جگہ اور "صادقون" (بحالت رفع) کل چھ (۶) جگہ آیا ہے اور یہ ان تمام (۵۶) مقامات پر بحذف الف "صدقین یا صدقون" ہی لکھا جاتا ہے ۔ چاہے معرف باللام ہو یا نکرہ ـــ البتہ اس کا واحد "صادق" جو قرآن کریم میں کل تین جگہ (مریم : ۵۴ ، المؤمن : ۲۸ اور الذاریات : ۵) آیا ہے ۔ یہ ہر جگہ باثبات الالف بعد الصاد یعنی "صادق" ہی لکھا جاتا ہے بلکہ اسی سے علمائے رسم نے ایک قاعدہ نکالا ہے کہ قرآن کریم میں اسم الفاعل کے وزن پر آنے والا لفظ ہمیشہ "باثبات الف" لکھا جاتا ہے اور اس کی جمع مذکر سالم ہر جگہ "بحذف الف" لکھی جاتی ہے ۔ اگرچہ یہ سو فیصد قاعدہ (کلیہ) نہیں ہے

(۳) لفظ "الکافرین" (جس سے پہلے لام الجر اور لام تعریف ملا کر بصورت "لِلْ" لکھا جاتا ہے) کا معاملہ بھی بلحاظ رسم واملاء "صادقین" جیسا ہی ہے ۔ یعنی یہ بھی بصورت جمع مذکر سالم تو ہر جگہ بحذف الالف بعد الکاف (کفرون کفرین) ہی لکھا جاتا ہے ۔ اس صورت (جمع مذکر سالم کی) میں یہ لفظ قرآن کریم میں کل ۱۲۹ جگہ آیا ہے (جس میں زیرِ مطالعہ آیت کا لفظ بھی شامل ہے) اور ہر جگہ

---

[1] دیکھئے المقنع (للدانی) ص ۶۹ ، العقید (للشاطبی) ص ۸۷ اور لطائف البیان (شرح مورد الظمآن للخراز) ج ۲ : ص ۵۹

شُهَدَاءَكُم، شُهَدَاءَكُم، شُهَدَاءَكُم، شُهَدَاءَكُمْ/

مِّنْ، مِن، مِن/ دُوْنِ، دُونِ، دُونِ/ اللّٰهِ، اللّٰهِ، اللّٰهِ/

اِنْ، اِن، اِن/ كُنْتُمْ، كُنتُمْ، كُنتُمْ/

صٰدِقِيْنَ، صٰدِقِينَ، صَٰدِقِينَ، صَٰدِقِينَ

فَاِنْ لَّمْ، فَإِن لَّمْ، فَإِن لَّمْ/

تَفْعَلُوْا، تَفْعَلُواْ، تَفْعَلُواْ/

وَلَنْ، وَلَن، وَلَن/ تَفْعَلُوْا (مثل سابق)/

فَاتَّقُوْا، فَاتَّقُواْ، فَاتَّقُواْ، فَاتَّقُواْ/

النَّارَ، النَّارَ، النَّارَ، النَّارَ/ الَّتِيْ، الَّتِى، الَّتِى، الَّتِى/

وَقُوْدُهَا، وَقُودُهَا، وَقُودُهَا/

النَّاسُ، النَّاسُ، النَّاسُ، النَّاسُ/

وَالْحِجَارَةُ، وَالْحِجَارَةُ، وَالْحِجَارَةُ، وَالْحِجَارَةُ/

اُعِدَّتْ، أُعِدَّتْ، أُعِدَّتْ/

لِلْكٰفِرِيْنَ، لِلْكٰفِرِينَ، لِلْكَٰفِرِينَ، لِلْكَٰفِرِينَ/

شُهَدَاءَكُمْ، شُهَدَاءَكُمْ، شُهَدَاءَكُمْ، شُهَدَاءَكُمْ/

مِّنْ، مِن، مِن/ دُونِ، دُونِ، دُونِ/ اللَّهِ، اللَّهِ، اللَّهِ/

إِنْ، إِن، إِن/ كُنتُمْ، كُنتُمْ، كُنتُمْ/

صَادِقِينَ، صَادِقِينَ، صَادِقِينَ، صَادِقِينَ

فَإِن لَّمْ، فَإِن لَّمْ، فَإِن لَّمْ/

تَفْعَلُوا، تَفْعَلُوا، تَفْعَلُوا/

وَلَنْ، وَلَن، وَلَن/ تَفْعَلُوا (مثل سابق)/

فَاتَّقُوا، فَاتَّقُوا، فَاتَّقُوا، فَاتَّقُوا/

النَّارَ، النَّارَ، النَّارَ، النَّارَ/ الَّتِي، الَّتِي، الَّتِي، الَّتِي/

وَقُودُهَا، وَقُودُهَا، وَقُودُهَا/

النَّاسُ، النَّاسُ، النَّاسُ، النَّاسُ/

وَالْحِجَارَةُ، وَالْحِجَارَةُ، وَالْحِجَارَةُ، وَالْحِجَارَةُ/

أُعِدَّتْ، أُعِدَّتْ، أُعِدَّتْ/

لِلْكَافِرِينَ، لِلْكَافِرِينَ، لِلْكَافِرِينَ، لِلْكَافِرِينَ/

القرآن۔ منظر و پس منظر" کے عنوان سے شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف محترم صدر مؤسّس کی فکری و نظری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ ہے بلکہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی دعوت رجوع الی القرآن کے میدان میں اب تک کی کارگزاری کا بڑا عمدہ خلاصہ بھی ہے۔

(iii) اور یہ کہ کتابوں کی اشاعت میں ان کے ظاہری حُسن اور گٹ اپ کی طرف اب خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔

(ب) مکتبہ:

یہ شعبہ دعوت رجوع الی القرآن کا focal point ہے۔ یہ شعبہ کتب و رسائل کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس پر محترم صدر مؤسس کے دُروس و خطابات اندرونِ ملک اور مشرق و مغرب دونوں سمت میں بیرونِ ملک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ۱۹۹۰ء میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کی تعداد فروخت ۱۹۸۹ء کے مقابلہ میں بالترتیب ۳۲ اور ۷۰ فیصد زائد تھی۔

(ج) قرآن کالج:

ایف اے اور بی اے کی معمول کی کلاسوں کے ساتھ ساتھ ایک سالہ دینی کورس بھی جاری رہا۔ اس ایک سالہ کورس کے ۱۹۹۰ء کے batch کا نتیجہ اطمینان بخش رہا۔ B.A. کے پہلے batch نے اس سال فائنل کا امتحان دیا۔ ۱۳ طلبہ میں سے ۸ طلبہ پاس ہوئے' ۵ نے فرسٹ ڈویژن اور ۳ نے سیکنڈ ڈویژن حاصل کیا۔ ۵ طلبہ کا انگریزی کے مضمون میں compartment آیا اور وہ ۱۹۹۱ء کے اوائل میں اس مضمون میں دوبارہ امتحان دینے والے تھے۔

قرآن حکیم کی فکری اور عملی رہنمائی کے لئے خط و کتابت کورس میں گزشتہ سال تقریباً ۵۰۰ طلبہ نے داخلہ لیا۔ کورس کی کتب اور کیسٹس کی کل قیمت فی طالب علم ایک ہزار روپیہ بنتی ہے جس میں سے صرف ۴۰۰ روپے ہر طالب علم سے لئے جاتے ہیں۔ جبکہ ۶۰۰ روپے فی طالب علم انجمن خود برداشت کرتی ہے۔ گزشتہ سال عربی گرامر کی تدریس کے ضمن میں ایک نیا خط و کتابت کورس بھی شروع کیا گیا ہے۔

القرآن۔ منظر و پس منظر" کے عنوان سے شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف محترم صدر مؤسّس کی فکری و نظری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ ہے بلکہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی دعوت رجوع الی القرآن کے میدان میں اب تک کی کارگزاری کا بڑا عمدہ خلاصہ بھی ہے۔

(iii) اور یہ کہ کتابوں کی اشاعت میں ان کے ظاہری حُسن اور گٹ اپ کی طرف اب خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔

(ب) مکتبہ:

یہ شعبہ دعوت رجوع الی القرآن کا focal point ہے۔ یہ شعبہ کتب و رسائل کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس پر محترم صدر مؤسس کے دُروس و خطابات اندرونِ ملک اور مشرق و مغرب دونوں سمت میں بیرونِ ملک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ۱۹۹۰ء میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کی تعداد فروخت ۱۹۸۹ء کے مقابلہ میں بالترتیب ۳۲ اور ۷۰ فیصد زائد تھی۔

(ج) قرآن کالج:

ایف اے اور بی اے کی معمول کی کلاسوں کے ساتھ ساتھ ایک سالہ دینی کورس بھی جاری رہا۔ اس ایک سالہ کورس کے ۱۹۹۰ء کے batch کا نتیجہ اطمینان بخش رہا۔ B.A. کے پہلے batch نے اس سال فائنل کا امتحان دیا۔ ۱۳ طلبہ میں سے ۸ طلبہ پاس ہوئے' ۵ نے فرسٹ ڈویژن اور ۳ نے سیکنڈ ڈویژن حاصل کیا۔ ۵ طلبہ کا انگریزی کے مضمون میں compartment آیا اور وہ ۱۹۹۱ء کے اوائل میں اس مضمون میں دوبارہ امتحان دینے والے تھے۔

قرآن حکیم کی فکری اور عملی رہنمائی کے لئے خط و کتابت کورس میں گزشتہ سال تقریباً ۵۰۰ طلبہ نے داخلہ لیا۔ کورس کی کتب اور کیسٹس کی کل قیمت فی طالب علم ایک ہزار روپیہ بنتی ہے جس میں سے صرف ۴۰۰ روپے ہر طالب علم سے لئے جاتے ہیں۔ جبکہ ۶۰۰ روپے فی طالب علم انجمن خود برداشت کرتی ہے۔ گزشتہ سال عربی گرامر کی تدریس کے ضمن میں ایک نیا خط و کتابت کورس بھی شروع کیا گیا ہے۔

کے لئے ہم سب نے انجمن میں شرکت کی ہے' وہ مقصد ہمارے ذہنوں میں مستحضر ہو جائے۔

۷۔ تجاویز و مشورے:

کوئی نئی تجویز تو حاضرین کی طرف سے نہیں پیش کی گئی' البتہ انجمن کے ماہانہ پروگرام کو جاری رکھنے کے بارے میں دو حضرات' ڈاکٹر محمد یقین صاحب اور جناب رشید احمد اُپّل صاحب نے اس پروگرام کو جاری رکھنے کا پرزور تقاضا کیا اور اسے نہایت مفید قرار دیا۔

۸۔ آخر میں محترم صدر مؤسّس جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے سورۃ السجدہ کی آیات نمبر ۲۱ تا ۲۵ کے حوالے سے دعوت رجوع الی القرآن کے ضمن میں اپنی ۲۷ سالہ مساعی اور انجمن کی ۱۹ برس کی کوششوں کا ذکر کیا کہ جس طرح ان دو دہائیوں سے زائد عرصہ میں پاکستان میں قرآن کریم کی بنیاد پر تذکیر کی گئی ہے' وہ پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔** (ترجمانی: اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے ربّ کی آیات کے ذریعے سے سمجھایا گیا' اس کے باوجود اس نے منہ موڑا' تو ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے) کے حوالے سے اس جانب توجہ دلائی کہ کہیں ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے انتقام کی وعید کا مستحق بنا تو نہیں چکے!!۔

انجمن کے ماہانہ اجتماع کو جاری رکھنے کا فیصلہ سناتے ہوئے' محترم صدر مؤسس نے سب سے پہلے تو حاضرین سے یہ وعدہ لیا کہ وہ نہ صرف اس ماہانہ اجتماع میں شرکت کیا کریں گے بلکہ اس دن وہ جمعہ کے خطاب میں بھی جو قرآن اکیڈمی میں ہوا کرے گا' شرکت کیا کریں گے۔ حاضرین کے اس وعدہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ماہانہ اجتماع کے لئے مندرجہ ذیل outlines کا اعلان کیا:

(i) یہ ماہانہ اجتماع آئندہ قرآن اکیڈمی کی بجائے شہر کے مختلف حصوں میں منعقد کیا جائے گا اور اس میں لاہور کے تمام اراکین کو مدعو کیا جائے گا۔

(ii) یہ اجتماع ہر ماہ کے آخری جمعہ کو منعقد ہوگا۔

(iii) ہر ماہ کوئی ایک رکنِ انجمن اس اجتماع کے میزبان ہوں گے۔

کے لئے ہم سب نے انجمن میں شرکت کی ہے' وہ مقصد ہمارے ذہنوں میں مستحضر ہو جائے۔

۷۔ تجاویز و مشورے:

کوئی نئی تجویز تو حاضرین کی طرف سے نہیں پیش کی گئی' البتہ انجمن کے ماہانہ پروگرام کو جاری رکھنے کے بارے میں دو حضرات' ڈاکٹر محمد یقین صاحب اور جناب رشید احمد اُپّل صاحب نے اس پروگرام کو جاری رکھنے کا پرزور تقاضا کیا اور اسے نہایت مفید قرار دیا۔

۸۔ آخر میں محترم صدر مؤسّس جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے سورۃ السجدہ کی آیات نمبر ۲۱ تا ۲۵ کے حوالے سے دعوت رجوع الی القرآن کے ضمن میں اپنی ۲۷ سالہ مساعی اور انجمن کی ۱۹ برس کی کوششوں کا ذکر کیا کہ جس طرح ان دو دہائیوں سے زائد عرصہ میں پاکستان میں قرآن کریم کی بنیاد پر تذکیر کی گئی ہے' وہ پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔** (ترجمانی: اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے ربّ کی آیات کے ذریعے سے سمجھایا گیا' اس کے باوجود اس نے منہ موڑا' تو ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے) کے حوالے سے اس جانب توجہ دلائی کہ کہیں ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے انتقام کی وعید کا مستحق بنا تو نہیں چکے!!۔

انجمن کے ماہانہ اجتماع کو جاری رکھنے کا فیصلہ سناتے ہوئے' محترم صدر مؤسس نے سب سے پہلے تو حاضرین سے یہ وعدہ لیا کہ وہ نہ صرف اس ماہانہ اجتماع میں شرکت کیا کریں گے بلکہ اس دن وہ جمعہ کے خطاب میں بھی جو قرآن اکیڈمی میں ہوا کرے گا' شرکت کیا کریں گے۔ حاضرین کے اس وعدہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ماہانہ اجتماع کے لئے مندرجہ ذیل outlines کا اعلان کیا:

(i) یہ ماہانہ اجتماع آئندہ قرآن اکیڈمی کی بجائے شہر کے مختلف حصوں میں منعقد کیا جائے گا اور اس میں لاہور کے تمام اراکین کو مدعو کیا جائے گا۔

(ii) یہ اجتماع ہر ماہ کے آخری جمعہ کو منعقد ہوگا۔

(iii) ہر ماہ کوئی ایک رکنِ انجمن اس اجتماع کے میزبان ہوں گے۔

سالانہ رپورٹ

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

برائے سال ۱۹۹۰ء

○

مرتّب

سراج الحق سیّد

(ناظمِ اعلیٰ)

سالانہ رپورٹ

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

برائے سال ۱۹۹۰ء

○

مرتّب

سراج الحق سیّد

(ناظمِ اعلیٰ)

۱۔ ناظم بیت المال	جناب شیخ محمد عقیل صاحب
۲۔ معتمد	جناب محمد بشیر ملک صاحب
۳۔ ناظم مکتبہ نشرو اشاعت	جناب اقتدار احمد صاحب
۴۔ محاسب	جناب رحمت اللہ بٹر صاحب
۵۔ ناظم اعلیٰ	سراج الحق سید

یہاں یہ ذکر بہت خوش آئند ہے کہ مرکزی انجمن کے لئے ۱۹۹۰ء کا سال بحیثیت مجموعی ایک اچھا سال تھا۔ انجمن کے تمام شعبہ جات اور اس کے ذیلی ادارے قرآن کالج کی کارکردگی میں گزشتہ برسوں کے مقابلہ میں قابل ذکر ترقی ہوئی۔ یہاں لفظ "ترقی" اپنے وسیع تر معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ مقدار (Volumes) اور حسن کارکردگی (Efficiency) دونوں میں اضافے اور بہتری کا مظہر ہے۔ اس دو طرفہ اضافے اور بہتری کو قائم رکھنے اور متوقع نشوونما (growth) کو سنبھالنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ مندرجہ ذیل ذمہ داریوں کے لئے تین نئے اعزازی ناظمین کا تقرر کیا جائے۔

ا) ناظم بیرون ملک:

(i) بیرون ملک انجمن خدام القرآن (Society of Servants of Quran) کے ابواب (Chapters) قائم کرنا۔ ان سے باقاعدہ رابطہ رکھنا اور انجمن کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے ان کی رہنمائی کرنا۔

(ii) بیرون پاکستان مقیم پاکستانیوں میں مرکزی انجمن کی رکنیت کی زیادہ سے زیادہ توسیع کی کوشش کرنا اور

(iii) بیرون ملک بسنے والے پاکستانیوں میں انجمن کے اغراض و مقاصد سے دلچسپی اور ہمدردی رکھنے والے افراد سے رابطہ کر کے انجمن کے فنڈز (funds) کی فراہمی کے لئے سعی اور اقدامات کرنا۔

ب) ناظم قرآن کالج:

قرآن کالج کے با مشاہرہ ر اعزازی عملے (staff) اور اساتذہ کے توسل سے طلبہ کی تعلیم و تربیت' رہائش اور میس (Mess) کے انتظام کے ذمہ دار ہوں گے۔ تعلیم و

۱۔ ناظم بیت المال	جناب شیخ محمد عقیل صاحب
۲۔ معتمد	جناب محمد بشیر ملک صاحب
۳۔ ناظم مکتبہ نشرو اشاعت	جناب اقتدار احمد صاحب
۴۔ محاسب	جناب رحمت اللہ بٹر صاحب
۵۔ ناظم اعلیٰ	سراج الحق سید

یہاں یہ ذکر بہت خوش آئند ہے کہ مرکزی انجمن کے لئے ۱۹۹۰ء کا سال بحیثیت مجموعی ایک اچھا سال تھا۔ انجمن کے تمام شعبہ جات اور اس کے ذیلی ادارے قرآن کالج کی کارکردگی میں گزشتہ برسوں کے مقابلہ میں قابل ذکر ترقی ہوئی۔ یہاں لفظ "ترقی" اپنے وسیع تر معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ مقدار (Volumes) اور حسن کارکردگی (Efficiency) دونوں میں اضافے اور بہتری کا مظہر ہے۔ اس دو طرفہ اضافے اور بہتری کو قائم رکھنے اور متوقع نشوونما (growth) کو سنبھالنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ مندرجہ ذیل ذمہ داریوں کے لئے تین نئے اعزازی ناظمین کا تقرر کیا جائے۔

ا) ناظم بیرون ملک:

(i) بیرون ملک انجمن خدام القرآن (Society of Servants of Quran) کے ابواب (Chapters) قائم کرنا۔ ان سے باقاعدہ رابطہ رکھنا اور انجمن کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے ان کی رہنمائی کرنا۔

(ii) بیرون پاکستان مقیم پاکستانیوں میں مرکزی انجمن کی رکنیت کی زیادہ سے زیادہ توسیع کی کوشش کرنا اور

(iii) بیرون ملک بسنے والے پاکستانیوں میں انجمن کے اغراض و مقاصد سے دلچسپی اور ہمدردی رکھنے والے افراد سے رابطہ کر کے انجمن کے فنڈز (funds) کی فراہمی کے لئے سعی اور اقدامات کرنا۔

ب) ناظم قرآن کالج:

قرآن کالج کے با مشاہرہ ر اعزازی عملے (staff) اور اساتذہ کے توسل سے طلبہ کی تعلیم و تربیت' رہائش اور میس (Mess) کے انتظام کے ذمہ دار ہوں گے۔ تعلیم و

الحمدللہ مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس بڑی باقاعدگی کے ساتھ ہوتے رہے۔ اسی طرح مختلف پراجیکٹس (projects) کے لئے کنسٹرکشن اور دیگر تشکیل شدہ کمیٹیوں نے بھی اپنی ذمہ داریوں کو بروقت اور احسن طریقے پر نبھایا ہے۔

۱۹۸۹ء کے اختتام پر مختلف حلقوں کے اراکین کی تعداد حسب ذیل تھی۔ بفضلہ اس تعداد میں ۱۹۹۰ء کے دوران جو اضافہ ہوا اور سال کے آخر پر جو کل تعداد انجمن کے ریکارڈ کے مطابق تھی وہ بھی درج ذیل ہے:

	تعداد ۱۹۸۹ء کے اختتام پر	۱۹۹۰ء کے دوران اضافہ	تعداد ۱۹۹۰ء کے اختتام پر
حلقۂ مؤسسین ومحسنین	۲۰۵	۴۳	۲۴۸
حلقۂ مستقل ارکان	۱۰۶	۲۷	۱۳۳
حلقۂ عام ارکان	۳۳۳	۲۳۷	۵۷۰
	۶۴۴	۳۰۷	۹۵۱

☆ ۲۳۷ عام ارکان میں ۱۴۸ بیرون ملک سے رکن بنے۔ اس ضمن میں جناب قمر سعید قریشی صاحب ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کوششوں سے انجمن کی رکنیت میں اس بڑی تعداد میں اضافہ ہوا۔

انجمن کی مالی صورت حال ان اعداد و شمار سے بخوبی آپ کے سامنے آجائے گی جو ۱۹۹۰ء کے آڈٹ کئے ہوئے اکاؤنٹس پر مشتمل اس رپورٹ کے آخر میں شائع کئے گئے ہیں۔ مالیات کے علاوہ مندرجہ ذیل مختلف شعبہ جات کی کارکردگی کا مختصر جائزہ آپ کی معلومات کے لئے پیش خدمت ہے۔

اکیڈمک ونگ (ACADEMIC WING)

سب سے پہلے اکیڈمک ونگ (Academic Wing) کا ذکر مناسب ہے جو محترم صدر مؤسس کے فکر و فلسفہ اور ان کی زیر نگرانی انجمن کی دعوت رجوع الی القرآن کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرتا ہے۔ یہی ونگ انجمن کی نشر و اشاعت کا ذمہ دار ہے۔ دو ماہنامے، میثاق اور حکمت قرآن شائع کرتا ہے اور قرآن اکیڈمی میں مرکزی لائبریری کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

الحمدللہ مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس بڑی باقاعدگی کے ساتھ ہوتے رہے۔ اسی طرح مختلف پراجیکٹس (projects) کے لئے کنسٹرکشن اور دیگر تشکیل شدہ کمیٹیوں نے بھی اپنی ذمہ داریوں کو بروقت اور احسن طریقے پر نبھایا ہے۔

۱۹۸۹ء کے اختتام پر مختلف حلقوں کے اراکین کی تعداد حسب ذیل تھی۔ بفضلہ اس تعداد میں ۱۹۹۰ء کے دوران جو اضافہ ہوا اور سال کے آخر پر جو کل تعداد انجمن کے ریکارڈ کے مطابق تھی وہ بھی درج ذیل ہے:

	تعداد ۱۹۸۹ء کے اختتام پر	۱۹۹۰ء کے دوران اضافہ	تعداد ۱۹۹۰ء کے اختتام پر
حلقۂ مؤسسین ومحسنین	۲۰۵	۴۳	۲۴۸
حلقۂ مستقل ارکان	۱۰۶	۲۷	۱۳۳
حلقۂ عام ارکان	۳۳۳	۲۳۷	۵۷۰
	۶۴۴	۳۰۷	۹۵۱

☆ ۲۳۷ عام ارکان میں ۱۴۸ بیرون ملک سے رکن بنے۔ اس ضمن میں جناب قمر سعید قریشی صاحب ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کوششوں سے انجمن کی رکنیت میں اس بڑی تعداد میں اضافہ ہوا۔

انجمن کی مالی صورت حال ان اعداد و شمار سے بخوبی آپ کے سامنے آجائے گی جو ۱۹۹۰ء کے آڈٹ کئے ہوئے اکاؤنٹس پر مشتمل اس رپورٹ کے آخر میں شائع کئے گئے ہیں۔ مالیات کے علاوہ مندرجہ ذیل مختلف شعبہ جات کی کارکردگی کا مختصر جائزہ آپ کی معلومات کے لئے پیش خدمت ہے۔

اکیڈمک ونگ (ACADEMIC WING)

سب سے پہلے اکیڈمک ونگ (Academic Wing) کا ذکر مناسب ہے جو محترم صدر مؤسس کے فکر و فلسفہ اور ان کی زیر نگرانی انجمن کی دعوت رجوع الی القرآن کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرتا ہے۔ یہی ونگ انجمن کی نشر و اشاعت کا ذمہ دار ہے۔ دو ماہنامے، میثاق اور حکمت قرآن شائع کرتا ہے اور قرآن اکیڈمی میں مرکزی لائبریری کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

مناسب طریقے سے ایڈٹ (edit) کر کے میثاق میں شائع کیا جاتا رہا ہے۔

"حکمت قرآن" میں دوران سال چار مضامین کی سلسلہ وار اشاعت رہی۔ (۱) "ہدایت القرآن" کے نام سے ایک تفسیری سلسلہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ (۲) "حکمت اقبال" کی سلسلہ وار اشاعت میں بھی پابندی رہی (یہ دراصل ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی ایک نہایت قابل قدر ضخیم تصنیف ہے جو ایک عرصے سے مارکیٹ میں مفقود ہے)۔ (۳) منشور اسلام۔ یہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی معرکۃ الاراء کتاب "Manifesto of Islam" کا ترجمہ ہے۔ اس کی صرف ایک قسط باقی رہ گئی ہے۔ ارادہ ہے کہ مکمل ہونے پر اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ (۴) حافظ احمد یار صاحب کی "لغات و اعراب قرآن" کی اشاعت میں بھی پابندی رہی۔ اوسطاً پندرہ صفحات پر مشتمل اس کی قسط ہر ماہ شامل اشاعت ہوتی ہے۔ بلاشبہ یہ بلند پایہ علمی و تحقیقی کام قرآن حکیم کی تفہیم کے ضمن میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔

انجمن کے صدر دفتر میں قائم کردہ مرکزی لائبریری بھی اکیڈمک ونگ کے زیر انتظام ہے۔ ۱۹۹۰ء کے آغاز تک کتابوں کی تعداد ۴۰۶۷ تھی۔ دوران سال ۲۳۴ کتب کا اضافہ ہوا۔ کتب کی کیٹیلاگنگ (Cataloging) کا کام جاری رہا۔ یہ کام ان شاء اللہ ۱۹۹۱ء کے وسط تک مکمل ہو جائے گا۔

۱۹۹۰ء کے آغاز تک ۱۱۰ رسائل و جرائد لائبریری میں موصول ہو رہے تھے۔ دوران سال سات ماہناموں اور تین ہفت روزہ رسالوں کا اضافہ ہوا۔

اکیڈمک ونگ کا ایک اور قابل ذکر پراجیکٹ الھدیٰ کیسٹ سیریز کا کتابچوں کی صورت میں منتقل (Transcribe) ہے۔ سال ۱۹۹۰ء کے دوران ۴۴ کیسٹس پر مشتمل صدر موسس کے منتخب نصاب کے دروس قرآن کو جو الھدیٰ کیسٹ سیریز کے عنوان سے کتبے میں دستیاب ہیں، ایڈٹ کر کے طبع کرنے کے منصوبے کا آغاز کیا گیا۔ منتخب نصاب کے یہ دروس چونکہ قرآن کالج کے نصاب میں بھی شامل ہیں اور خط و کتابت کورس کا بھی جزو لاینفک ہیں لہٰذا انہیں مرتب کر کے شائع کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس ضرورت کا احساس بہت سے لوگوں کی طرف سے سامنے آیا۔ ان دروس کو مرتب (Edit) کرنے کا کام مدیر اکیڈمی نے اپنے ذمے لیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ "الھدیٰ کتب

مناسب طریقے سے ایڈٹ (edit) کر کے میثاق میں شائع کیا جاتا رہا ہے۔

"حکمت قرآن" میں دوران سال چار مضامین کی سلسلہ وار اشاعت رہی۔ (۱) "ہدایت القرآن" کے نام سے ایک تفسیری سلسلہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ (۲) "حکمت اقبال" کی سلسلہ وار اشاعت میں بھی پابندی رہی (یہ دراصل ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی ایک نہایت قابل قدر ضخیم تصنیف ہے جو ایک عرصے سے مارکیٹ میں مفقود ہے)۔ (۳) منشور اسلام۔ یہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی معرکۃ الاراء کتاب "Manifesto of Islam" کا ترجمہ ہے۔ اس کی صرف ایک قسط باقی رہ گئی ہے۔ ارادہ ہے کہ مکمل ہونے پر اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ (۴) حافظ احمد یار صاحب کی "لغات و اعراب قرآن" کی اشاعت میں بھی پابندی رہی۔ اوسطاً پندرہ صفحات پر مشتمل اس کی قسط ہر ماہ شامل اشاعت ہوتی ہے۔ بلاشبہ یہ بلند پایہ علمی و تحقیقی کام قرآن حکیم کی تفہیم کے ضمن میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔

انجمن کے صدر دفتر میں قائم کردہ مرکزی لائبریری بھی اکیڈمک ونگ کے زیر انتظام ہے۔ ۱۹۹۰ء کے آغاز تک کتابوں کی تعداد ۴۰۶۷ تھی۔ دوران سال ۲۳۴ کتب کا اضافہ ہوا۔ کتب کی کیٹیلاگنگ (Cataloging) کا کام جاری رہا۔ یہ کام ان شاء اللہ ۱۹۹۱ء کے وسط تک مکمل ہو جائے گا۔

۱۹۹۰ء کے آغاز تک ۱۱۰ رسائل و جرائد لائبریری میں موصول ہو رہے تھے۔ دوران سال سات ماہناموں اور تین ہفت روزہ رسالوں کا اضافہ ہوا۔

اکیڈمک ونگ کا ایک اور قابل ذکر پراجیکٹ الھدیٰ کیسٹ سیریز کا کتابچوں کی صورت میں منتقل (Transcribe) ہے۔ سال ۱۹۹۰ء کے دوران ۴۴ کیسٹس پر مشتمل صدر موسس کے منتخب نصاب کے دروس قرآن کو جو الھدیٰ کیسٹ سیریز کے عنوان سے کتبے میں دستیاب ہیں، ایڈٹ کر کے طبع کرنے کے منصوبے کا آغاز کیا گیا۔ منتخب نصاب کے یہ دروس چونکہ قرآن کالج کے نصاب میں بھی شامل ہیں اور خط و کتابت کورس کا بھی جزو لاینفک ہیں لہٰذا انہیں مرتب کر کے شائع کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس ضرورت کا احساس بہت سے لوگوں کی طرف سے سامنے آیا۔ ان دروس کو مرتب (Edit) کرنے کا کام مدیر اکیڈمی نے اپنے ذمے لیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ "الھدیٰ کتب

ابلاغ کا ایک اور ذریعہ وہ اسٹال ہے جو باقاعدگی سے ہر جمعہ کو مسجد دارالسلام میں لگایا جاتا ہے۔ اس قسم کے اسٹال مخصوص اجتماعات مثلاً تبلیغی جماعت کے رائے ونڈ میں اجتماع' تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع میں بھی لگائے جاتے ہیں۔

قرآن کالج

پہلے جو تعلیمی و تدریسی کام اکیڈمی کے ذمہ تھا وہ ذمہ داری اب قرآن کالج کو منتقل ہو چکی ہے۔ ابتداء میں صرف .B.A کی کلاسیں شروع کی گئی تھیں جس کے لئے دو سال کی جگہ تین سال کا عرصہ متعین کیا گیا ہے۔ اس اضافی سال میں عربی اور ایک جامع دینی نصاب پڑھایا جاتا ہے اور بقیہ دو سال میں .B.A کے مضامین۔ ۱۹۸۹ء سے .F.A کی کلاسیں بھی شروع کر دی گئیں۔ .F.A میں داخلہ لینے والوں کے لئے .B.A تک کا کورس جس میں دینی نصاب بھی شامل ہے' صرف چار سال میں مکمل کروا دیا جاتا ہے۔

۱۹۹۰ء کے دوران ایف اے سال اول میں ۴۹ طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ سال کے دوران ۱۴ طلبہ کالج سے چلے گئے اور سال کے آخر میں ۳۵ طلبہ زیر تعلیم تھے۔

ایف اے سال دوم جو اس سال کے ابتدا میں سال اول تھی' اس کا سالانہ امتحان جون میں ہوا تھا۔ جس میں سے ۱۴ طلبہ پاس ہوئے اور ۲۴ طلبہ جو ایک یا دو مضامین میں فیل تھے' انہیں سال دوم میں ترقی دے دی گئی۔ تین یا تین سے زیادہ مضامین میں فیل ہونے والے طلبہ کی تعداد ۴ تھی جنہیں ترقی نہیں دی گئی۔ البتہ انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ سال اول میں وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ صرف ایک طالب علم نے اس اختیار کو استعمال کیا تھا لیکن تعلیم میں اس کی عدم دلچسپی کی بنا پر اس کا نام خارج کر دیا گیا۔ دوران سال پانچ طلبہ کالج سے چلے گئے اور سال کے آخر میں ۳۳ طلبہ زیر تعلیم تھے۔

سال کے دوران بی اے سال اضافی میں ۱۰ طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ دوران سال ان میں سے ۲ طلبہ کے کالج سے چلے جانے کے بعد ۸ طلبہ زیر تعلیم رہے۔

دوران سال قرآن کالج کے پہلے بیچ (batch) نے جو ۱۳ طلبہ پر مشتمل تھا .B.A فائنل کا امتحان دیا۔ اس میں سے ۸ طلبہ پاس ہوئے اور ۵ فیل۔ پاس ہونے والے طلبہ میں سے ۵ نے فرسٹ ڈویژن حاصل کیا اور ۳ نے سیکنڈ ڈویژن۔ فیل ہونے والے پانچوں طلبہ کے

ابلاغ کا ایک اور ذریعہ وہ اسٹال ہے جو باقاعدگی سے ہر جمعہ کو مسجد دارالسلام میں لگایا جاتا ہے۔ اس قسم کے اسٹال مخصوص اجتماعات مثلاً تبلیغی جماعت کے رائے ونڈ میں اجتماع' تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع میں بھی لگائے جاتے ہیں۔

قرآن کالج

پہلے جو تعلیمی و تدریسی کام اکیڈمی کے ذمہ تھا وہ ذمہ داری اب قرآن کالج کو منتقل ہو چکی ہے۔ ابتداء میں صرف .B.A کی کلاسیں شروع کی گئی تھیں جس کے لئے دو سال کی جگہ تین سال کا عرصہ متعین کیا گیا ہے۔ اس اضافی سال میں عربی اور ایک جامع دینی نصاب پڑھایا جاتا ہے اور بقیہ دو سال میں .B.A کے مضامین۔ ۱۹۸۹ء سے .F.A کی کلاسیں بھی شروع کر دی گئیں۔ .F.A میں داخلہ لینے والوں کے لئے .B.A تک کا کورس جس میں دینی نصاب بھی شامل ہے' صرف چار سال میں مکمل کروا دیا جاتا ہے۔

۱۹۹۰ء کے دوران ایف اے سال اول میں ۴۹ طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ سال کے دوران ۱۴ طلبہ کالج سے چلے گئے اور سال کے آخر میں ۳۵ طلبہ زیر تعلیم تھے۔

ایف اے سال دوم جو اس سال کے ابتدا میں سال اول تھی' اس کا سالانہ امتحان جون میں ہوا تھا۔ جس میں سے ۱۴ طلبہ پاس ہوئے اور ۲۴ طلبہ جو ایک یا دو مضامین میں فیل تھے' انہیں سال دوم میں ترقی دے دی گئی۔ تین یا تین سے زیادہ مضامین میں فیل ہونے والے طلبہ کی تعداد ۴ تھی جنہیں ترقی نہیں دی گئی۔ البتہ انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ سال اول میں وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ صرف ایک طالب علم نے اس اختیار کو استعمال کیا تھا لیکن تعلیم میں اس کی عدم دلچسپی کی بنا پر اس کا نام خارج کر دیا گیا۔ دوران سال پانچ طلبہ کالج سے چلے گئے اور سال کے آخر میں ۳۳ طلبہ زیر تعلیم تھے۔

سال کے دوران بی اے سال اضافی میں ۱۰ طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ دوران سال ان میں سے ۲ طلبہ کے کالج سے چلے جانے کے بعد ۸ طلبہ زیر تعلیم رہے۔

دوران سال قرآن کالج کے پہلے بیچ (batch) نے جو ۱۳ طلبہ پر مشتمل تھا .B.A فائنل کا امتحان دیا۔ اس میں سے ۸ طلبہ پاس ہوئے اور ۵ فیل۔ پاس ہونے والے طلبہ میں سے ۵ نے فرسٹ ڈویژن حاصل کیا اور ۳ نے سیکنڈ ڈویژن۔ فیل ہونے والے پانچوں طلبہ کے

لاہور کے باہر سے آنے والے طلبہ کے لئے جو صرف ہاسٹل میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کالج میں بھی داخلہ نہیں لے سکتے' آسانی پیدا ہو جائے گی۔

قرآن آڈیٹوریم

ارکان انجمن بخوبی جانتے ہیں کہ انجمن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد کی بیشتر توانائیاں برسہا برس سے قرآن حکیم کے درس و تدریس میں صرف ہو رہی ہیں۔ اپنے انتہائی دل نشیں انداز اور منفرد اسلوب میں وہ لاکھوں لوگوں کو قرآن حکیم کے عملی پیغام کی طرف متوجہ کر چکے ہیں۔ آپ اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے مخصوص انداز میں از اول تا آخر تسلسل کے ساتھ پورے قرآن حکیم کا درس آڈیو اور وڈیو ٹیپ پر ریکارڈ کروا دیں' اور یہ ریکارڈنگ اعلیٰ ترین فنی سطح پر کی جانی چاہئے۔ اس کے لئے نہ صرف عمدہ Technical Equipment درکار ہوگا بلکہ یہ ریکارڈنگ بھی کسی بند اسٹوڈیو کی بجائے ایک معیاری آڈیٹوریم میں ہونی چاہئے جہاں حاضرین کی موجودگی میں یہ درس قرآن ہر ہفتہ دو یا تین بار باقاعدگی سے منعقد کیا جائے۔ بفضلہ تعالیٰ آڈیٹوریم کا اسٹرکچر تعمیر ہو چکا ہے۔ اور اب اس کی Finishing اور Furnishing کا کام زیر تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی تو ہمارا ارادہ ہے کہ ۱۹۹۱ء میں رمضان المبارک کے بعد مجوزہ درس قرآن کا آغاز کر دیا جائے۔

شعبہ نشر القرآن

مکتبہ جو آڈیو اور وڈیو کیسٹس خریداروں تک پہنچاتا ہے' ان کی تیاری ۱۹۹۰ء سے شعبہ ذرائع سمع و بصر کو تفویض ہوئی ہے۔ آڈیو کیسٹ کی کاپی کرنے (copying) کی سہولت تو انجمن کے پاس پہلے سے ہی تھی مگر ۱۹۹۰ء میں وڈیو کیسٹ کو کاپی کرنے کا انتظام بھی اکیڈمی میں کر لیا گیا ہے۔ اس سے وقت میں بچت اور ایمرجنسی آرڈرز کی بروقت سپلائی کے ساتھ ساتھ copying کی کوالٹی بھی بہتر ہو گئی ہے۔

نئی اور بہتر آڈیو ریکارڈنگ مشین کا انتظام کیا گیا ہے اور کاپی کئے ہوئے کیسٹ کی ریکارڈنگ چیک کرنے کا پہلے سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

لاہور کے باہر سے آنے والے طلبہ کے لئے جو صرف ہاسٹل میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کالج میں بھی داخلہ نہیں لے سکتے' آسانی پیدا ہو جائے گی۔

قرآن آڈیٹوریم

ارکان انجمن بخوبی جانتے ہیں کہ انجمن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد کی بیشتر توانائیاں برسہا برس سے قرآن حکیم کے درس و تدریس میں صرف ہو رہی ہیں۔ اپنے انتہائی دل نشیں انداز اور منفرد اسلوب میں وہ لاکھوں لوگوں کو قرآن حکیم کے عملی پیغام کی طرف متوجہ کر چکے ہیں۔ آپ اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے مخصوص انداز میں از اول تا آخر تسلسل کے ساتھ پورے قرآن حکیم کا درس آڈیو اور وڈیو ٹیپ پر ریکارڈ کروا دیں' اور یہ ریکارڈنگ اعلیٰ ترین فنی سطح پر کی جانی چاہئے۔ اس کے لئے نہ صرف عمدہ Technical Equipment درکار ہوگا بلکہ یہ ریکارڈنگ بھی کسی بند اسٹوڈیو کی بجائے ایک معیاری آڈیٹوریم میں ہونی چاہئے جہاں حاضرین کی موجودگی میں یہ درس قرآن ہر ہفتہ دو یا تین بار باقاعدگی سے منعقد کیا جائے۔ بفضلہ تعالیٰ آڈیٹوریم کا اسٹرکچر تعمیر ہو چکا ہے۔ اور اب اس کی Finishing اور Furnishing کا کام زیر تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی تو ہمارا ارادہ ہے کہ ۱۹۹۱ء میں رمضان المبارک کے بعد مجوزہ درس قرآن کا آغاز کر دیا جائے۔

شعبہ نشر القرآن

مکتبہ جو آڈیو اور وڈیو کیسٹس خریداروں تک پہنچاتا ہے' ان کی تیاری ۱۹۹۰ء سے شعبہ ذرائع سمع و بصر کو تفویض ہوئی ہے۔ آڈیو کیسٹ کی کاپی کرنے (copying) کی سہولت تو انجمن کے پاس پہلے سے ہی تھی مگر ۱۹۹۰ء میں وڈیو کیسٹ کو کاپی کرنے کا انتظام بھی اکیڈمی میں کر لیا گیا ہے۔ اس سے وقت میں بچت اور ایمرجنسی آرڈرز کی بروقت سپلائی کے ساتھ ساتھ copying کی کوالٹی بھی بہتر ہو گئی ہے۔

نئی اور بہتر آڈیو ریکارڈنگ مشین کا انتظام کیا گیا ہے اور کاپی کئے ہوئے کیسٹ کی ریکارڈنگ چیک کرنے کا پہلے سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

ان میں سے اکثر مقالات کو بعد میں "حکمت قرآن" میں بھی شائع کر دیا گیا۔ یہ محاضرات قرآن آڈیٹوریم میں' جو اس وقت زیر تعمیر تھا' منعقد کئے گئے تھے۔ تنظیم اسلامی کا سالانہ اجلاس بھی انہی دنوں ہو رہا تھا اور رفقائے تنظیم کی شرکت سے محاضرات کی رونق دوبالا ہو گئی تھی۔

ماہانہ اجتماع:

گزشتہ سالانہ اجلاس کے موقعہ پر ڈاکٹر راشد رندھاوا صاحب رکن حلقہ محسنین کی تجویز کے مطابق جولائی ۱۹۹۰ء سے انجمن کے لاہور کے اراکین کا ماہانہ اجلاس شروع کیا گیا تاکہ ایک دوسرے سے تعارف بڑھے' انجمن کے کام کو بڑھانے کے لئے تجاویز و مشورے سامنے آئیں اور ساتھ ہی ہر ماہ ایک موقع فراہم ہو جائے جس میں خصوصیت سے انجمن کے اراکین صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس و خطاب سے مستفید ہو سکیں۔ بعض ماہ اجتماع کی میزبانی کے فرائض معزز اراکین انجمن نے ادا کئے۔ جناب ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا صاحب' جناب ڈاکٹر محمد رشید چودھری صاحب' جناب ڈاکٹر محمد یقین صاحب اور جناب شہباز الدین چودھری صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر اجتماع کا انتظام کیا تھا۔ محترم شیخ عقیل صاحب ناظم بیت المال نے ایک ماہانہ اجتماع کے موقع پر جو قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا تھا' ایک ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔

زیر تعمیر پراجیکٹس

وسن پورہ لاہور میں انجمن کو وقف شدہ پلاٹ پر الحمدللہ تعمیر جاری ہے۔ اس وقت تک نچلی منزل میں پانچ کلاس روم' ۱۵x۱۹ سائز کے اور ایک دفتر مکمل ہو چکا ہے۔ والٹن لاہور میں بھی ایک صاحب خیر نے ایک پلاٹ وقف کر رکھا ہے لیکن اس پر اب تک تعمیر شروع نہیں ہو سکی ہے۔

جدید طریقے اور سہولتیں

i) کمپیوٹر کا استعمال (computerization): ماہنامہ میثاق اور حکمت قرآن کے بیرون ملک سالانہ خریداروں کے کوائف تو پہلے سے ہی کمپیوٹر پر تھے' ۱۹۹۰ء کے دوران اندرون ملک کے سالانہ خریداروں کے کوائف بھی مشین پر لے لئے گئے۔ اسی

ان میں سے اکثر مقالات کو بعد میں "حکمت قرآن" میں بھی شائع کر دیا گیا۔ یہ محاضرات قرآن آڈیٹوریم میں' جو اس وقت زیر تعمیر تھا' منعقد کئے گئے تھے۔ تنظیم اسلامی کا سالانہ اجلاس بھی انہی دنوں ہو رہا تھا اور رفقائے تنظیم کی شرکت سے محاضرات کی رونق دوبالا ہو گئی تھی۔

ماہانہ اجتماع:

گزشتہ سالانہ اجلاس کے موقعہ پر ڈاکٹر راشد رندھاوا صاحب رکن حلقہ محسنین کی تجویز کے مطابق جولائی ۱۹۹۰ء سے انجمن کے لاہور کے اراکین کا ماہانہ اجلاس شروع کیا گیا تاکہ ایک دوسرے سے تعارف بڑھے' انجمن کے کام کو بڑھانے کے لئے تجاویز و مشورے سامنے آئیں اور ساتھ ہی ہر ماہ ایک موقع فراہم ہو جائے جس میں خصوصیت سے انجمن کے اراکین صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس و خطاب سے مستفید ہو سکیں۔ بعض ماہ اجتماع کی میزبانی کے فرائض معزز اراکین انجمن نے ادا کئے۔ جناب ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا صاحب' جناب ڈاکٹر محمد رشید چودھری صاحب' جناب ڈاکٹر محمد یقین صاحب اور جناب شہباز الدین چودھری صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر اجتماع کا انتظام کیا تھا۔ محترم شیخ عقیل صاحب ناظم بیت المال نے ایک ماہانہ اجتماع کے موقع پر جو قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا تھا' ایک ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔

زیر تعمیر پراجیکٹس

وسن پورہ لاہور میں انجمن کو وقف شدہ پلاٹ پر الحمدللہ تعمیر جاری ہے۔ اس وقت تک نچلی منزل میں پانچ کلاس روم' ۱۵x۱۹ سائز کے اور ایک دفتر مکمل ہو چکا ہے۔ والٹن لاہور میں بھی ایک صاحب خیر نے ایک پلاٹ وقف کر رکھا ہے لیکن اس پر اب تک تعمیر شروع نہیں ہو سکی ہے۔

جدید طریقے اور سہولتیں

i) کمپیوٹر کا استعمال (computerization): ماہنامہ میثاق اور حکمت قرآن کے بیرون ملک سالانہ خریداروں کے کوائف تو پہلے سے ہی کمپیوٹر پر تھے' ۱۹۹۰ء کے دوران اندرون ملک کے سالانہ خریداروں کے کوائف بھی مشین پر لے لئے گئے۔ اسی

☆ Society of the Servants of Al-Quran

○ شکاگو، شمالی امریکہ ○ ڈیٹرائٹ، شمالی امریکہ

☆ جمعیت خدام القرآن

○ ابو ظہبی، امارات

☆ انجمن خدام القرآن

○ حیدر آباد دکن، بھارت ○ شارجہ، امارات

○ ریاض، سعودی عرب ○ الواسع، سعودی عرب

○ پیرس، فرانس

منسلک انجمنیں صرف مقاصد کے اعتبار سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے منسلک (affiliated) ہوتی ہیں ورنہ یہ اپنا دستور خود متعین کرتی ہیں اور اپنے انتظامی اور مالی امور میں بالکل آزاد (autonomous) ہوتی ہیں۔ اندرون ملک منسلک انجمنوں کو اپنی سالانہ آمدنیوں کا دسواں حصہ مرکزی انجمن کو منتقل کرنا ہوتا ہے جبکہ بیرون ملک منسلک انجمنوں کے لئے یہ پابندی نہیں ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

(رَوَاہُ الْبُخَارِیْ وَالتِّرْمِذِیْ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

☆ Society of the Servants of Al-Quran

○ شکاگو، شمالی امریکہ ○ ڈیٹرائٹ، شمالی امریکہ

☆ جمعیت خدام القرآن

○ ابو ظہبی، امارات

☆ انجمن خدام القرآن

○ حیدر آباد دکن، بھارت ○ شارجہ، امارات

○ ریاض، سعودی عرب ○ الواسع، سعودی عرب

○ پیرس، فرانس

منسلک انجمنیں صرف مقاصد کے اعتبار سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے منسلک (affiliated) ہوتی ہیں ورنہ یہ اپنا دستور خود متعین کرتی ہیں اور اپنے انتظامی اور مالی امور میں بالکل آزاد (autonomous) ہوتی ہیں۔ اندرون ملک منسلک انجمنوں کو اپنی سالانہ آمدنیوں کا دسواں حصہ مرکزی انجمن کو منتقل کرنا ہوتا ہے جبکہ بیرون ملک منسلک انجمنوں کے لئے یہ پابندی نہیں ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

بیلنس شیٹ برائے سال ۱۹۹۰ء

املاک (ASSETS)

مستقل اثاثہ جات	14,760,605.93
NIT میں سرمایہ کاری	897,830.50
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن	864,485.00
ادویات کا سٹاک اور سٹور	17,385.33
پیشگی رقوم و دیگر واجب الوصول رقوم	611,480.00
تعلیمی قرض برائے طلبہ	30,920.00
بنک میں موجود رقم	3,404.31
امپریسٹ فنڈ	817.10
	17,186,928.17

ادائیگی کی ذمہ داری (LIABILITIES)

فکسڈ فنڈز (موسسین، محسنین اور مستقل اراکین کی یکمشت ادائیگی)	1,627,000.00
قرآن اکیڈمی فنڈ	2,179,400.91
قرآن کالج اور آڈیٹوریم فنڈ	9,547,234.16
مدینہ روڈ بلڈنگ اور قرآن سکول فنڈ	130,000.00
سکیوریٹی ڈیپازٹ	187,319.38
قابل ادائیگی اخراجات	18,603.56
تعلیمی قرض	39,820.00
میزان آمدنی منہا اخراجات : یکم جنوری ۱۹۹۰ء	2,590,856.41
میزان آمدنی منہا اخراجات : سال ۱۹۹۰ء	866,693.75
	17,186,928.17

بیلنس شیٹ برائے سال ۱۹۹۰ء

املاک (ASSETS)

مستقل اثاثہ جات	14,760,605.93
NIT میں سرمایہ کاری	897,830.50
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن	864,485.00
ادویات کا سٹاک اور سٹور	17,385.33
پیشگی رقوم و دیگر واجب الوصول رقوم	611,480.00
تعلیمی قرض برائے طلبہ	30,920.00
بنک میں موجود رقم	3,404.31
امپریسٹ فنڈ	817.10
	17,186,928.17

ادائیگی کی ذمہ داری (LIABILITIES)

فکسڈ فنڈز (موسسین، محسنین اور مستقل اراکین کی یکمشت ادائیگی)	1,627,000.00
قرآن اکیڈمی فنڈ	2,179,400.91
قرآن کالج اور آڈیٹوریم فنڈ	9,547,234.16
مدینہ روڈ بلڈنگ اور قرآن سکول فنڈ	130,000.00
سکیوریٹی ڈیپازٹ	187,319.38
قابل ادائیگی اخراجات	18,603.56
تعلیمی قرض	39,820.00
میزان آمدنی منہا اخراجات : یکم جنوری ۱۹۹۰ء	2,590,856.41
میزان آمدنی منہا اخراجات : سال ۱۹۹۰ء	866,693.75
	17,186,928.17

احباب نوٹ فرمالیں کہ

قرآن کالج میں ایف اے کلاس

کے نئے داخلوں کا شیڈول

حسب ذیل رہے گا۔ ان شاء اللہ

- درخواست جمع کرانے کی آخری تاریخ : ۲۵ر مئی ۹۱ء
- داخلہ ٹیسٹ : ۲۸ر مئی ۹۱ء
- انٹرویوز : ۲۹ر مئی ۹۱ء
- آغاز تدریس : یکم جون ۹۱ء

نوٹ:

- جن طلبہ کا میٹرک کا رزلٹ ابھی نہ نکلا ہو' وہ بھی داخلے کی درخواست دے سکتے ہیں۔
- مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے سے پراسپکٹس طلب کیجئے۔

ناظم قرآن کالج' ۱۹۱۔ اے' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

احباب نوٹ فرمالیں کہ

قرآن کالج میں ایف اے کلاس

کے نئے داخلوں کا شیڈول

حسب ذیل رہے گا۔ ان شاء اللہ

- درخواست جمع کرانے کی آخری تاریخ : ۲۵ر مئی ۹۱ء
- داخلہ ٹیسٹ : ۲۸ر مئی ۹۱ء
- انٹرویوز : ۲۹ر مئی ۹۱ء
- آغاز تدریس : یکم جون ۹۱ء

نوٹ:

- جن طلبہ کا میٹرک کا رزلٹ ابھی نہ نکلا ہو' وہ بھی داخلے کی درخواست دے سکتے ہیں۔
- مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے سے پراسپکٹس طلب کیجئے۔

ناظم قرآن کالج' ۱۹۱۔ اے' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

MAY 1991 Regd No. L. 8193

MONTHLY
HIKMAT_E_QURAN
LAHORE

VOL. 10
NO. 5

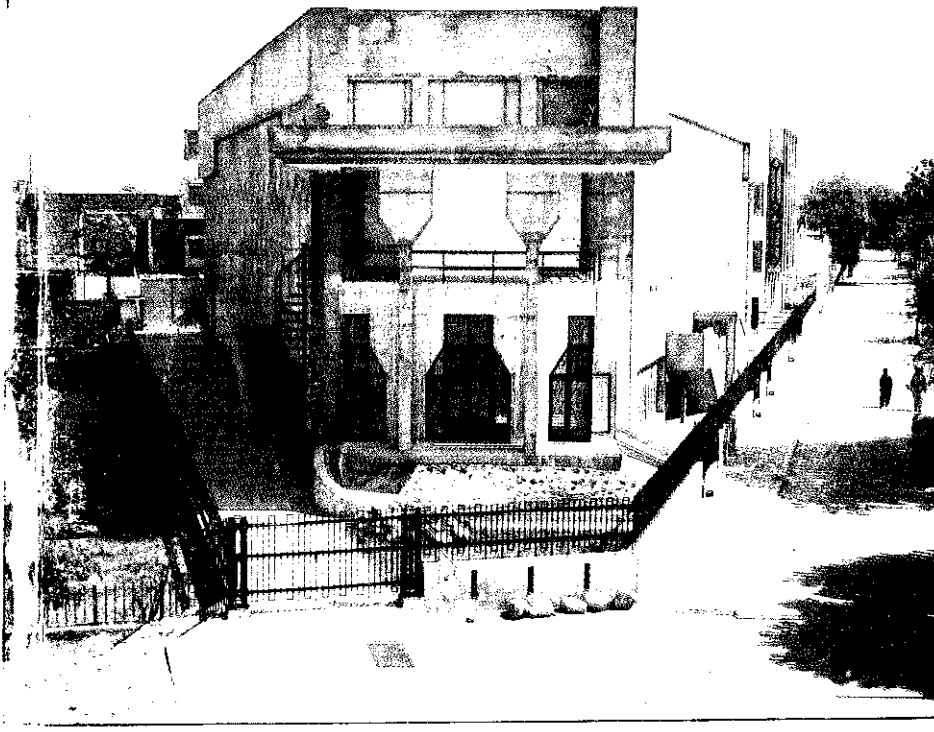

قرآن آڈیٹوریم